تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ ۱۰ر جولائی ۲۰۰۳ء

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ
قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ

اللہ تعالیٰ غنی ہے، اور تم فقیر (اور محتاج) ہو اور اگر تم روگردان ہو جاؤ تو وہ تمہارے بدلے
تمہارے سوا اور لوگوں کو لائے گا جو پھر تم جیسے نہ ہوں گے (سورہ محمد-۳۸)

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام
احاطہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

7/-

Regd. No- LW/NP/63

June 2003

Fortnightly
Tameer-e-Hayat
Nadwatul Ulama, Lucknow-226 007

R.N.I. No- UP.URD/2001/6071

Vol.2, Issue No: (7)

حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلآویز وفکر انگیز مضامین کا مجموعہ

صفحات:—۱۸۸ قیمت:—۶۰ روپے

ملنے کا پتہ:

مکتبہ حسنی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی میموریل سنٹر، حیدر آباد
Ist Floor A.N.S.Plaza Beside Mallepally Mosque
Hyderabad-500001

نقوش سیرت

از: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

Ph:226657
FIT & CO.
Since:1916
SPECIALIST IN
Suits & Sherwani
Near:- Sardar Sons,
At:Nazirabad, LUCKNOW.

Ph. Nos 2260433- 2242946
جدید و دلکش سونے چاندی کے زیورات کے لئے
ہمارے شوروم میں
آپ کا خیر مقدم ہے

گہنہ پیلیس
Gahna Palace
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں
ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

طلباء اور تاجران کتب کے لئے خاص رعایت
ہر قسم کے قرآن مجید مترجم، غیر مترجم، حمائل، قاعدے پارے، پنج سورے، عربی، فارسی، اردو کی درسی غیر درسی نیز ہائی اسکول انٹر، جامعہ اردو علی گڑھ کی گائیڈ اور گیس پیپر وغیرہ بہترین اور مناسب قیمت میں ہم سے طلب کریں۔
نوٹ: آپ اپنی ضرورت کی کتب بذریعہ وی۔ پی بھی طلب کر سکتے ہیں۔
تاج
اسلامک جنتری دستیاب ہے
طلب کریں۔ قیمت ۱۵/-
تاج بکڈپو، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی۔ جدید ترین فیشن کے
Shirt, Trousers Coat Suits, Embroidered, Sherwanis, Pullowrre, Jackets, Kurta, Vastecoat suit, Night suits& ties
شادی بیاہ، تیوہار اور پارٹی کے موقع کے لئے شاندار ذخیرہ
تشریف لائیں
MEN MARK®
Men's Exclusive
58,Halwasia Market,
Hazratganj, Lucknow
Ph.: Shop:216948 Resi.: 227443

حسنی فارمیسی

چشمہ ساگر
ہمارے یہاں کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ کی جاتی ہے۔
AUTO REFRECTO METER AR-860
فوٹو کرومک شیشے کونٹیکٹ لینس ہر بیماری کی عینک
فینسی پاور اور دھوپ کے چشموں کا قابل اعتماد مرکز
— ایک بار خدمت کا موقع دیں —
آپٹیشین: اے۔ رحمن (علیگ)
شکر بی کی دوری کے نزدیک معتبر کیمپ، اعظم گڑھ

Office Ph. No 2787250 (Ext.) 18, Guest House - 2323864 Fax No- 0522- 2787310 2788376
Printed And Published by *Athar Husain* on behalf of Nadwatul Ulama at Parekh Press Tagore Marge, Lucknow-U P
Editor : *Shamsul Haq Nadwi*

فتنۂ انکارِ حدیث

حدیث کی آفاقیت اور اس کے ذریعہ اس امت کی بقاء وہدایت پر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ روشنی ڈالتے ہیں:

''قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا، اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کی شریک وسہیم نہیں، ایک ایسا ماخذ جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات ومحرکات اور قلب ودماغ کی غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔'' تاریخ تدوین حدیث کے مطالعہ سے مولانا ایک خاص نتیجہ پر پہنچتے ہیں:

''تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کے کوئی جذبات نہیں ہے، صحابۂ کرامؓ عہد نبوی ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کرلینا، پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران وخراسان وترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع حفظ حدیث سے عشق وشغف، ان کا غیر معمولی حافظہ، ان کا عزم واعلیٰ ہمتی، پھر اسماء رجال وفن روایت، مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکۂ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی، پھر ان کا انہماک وخود فراموشی پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت، یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس ''صحیفۂ زندگی'' کو محفوظ کرنا مقصود تھا، اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد اور تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، علمی وایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح عقائد واحکام میں ''توارث'' کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج ومذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا، اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ مزاج ومذاق یکسر ناپید اور معدوم ہوگیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابۂ کرام کے مزاج ومذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں''۔

اس بحث کو مولانا فتنۂ انکار حدیث سے پیدا شدہ عظیم نقصان کی طرف نشاندہی فرماتے ہوئے ختم کرتے ہیں:

''جو لوگ امت کو زندگی اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کے [illegible] کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں؟ وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اس طرح [illegible] کو پارہ پارہ کردینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب [illegible] کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے، ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ پھر اس ''مزاج ومذاق'' کو وجود میں لانے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابۂ کرام کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہوسکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوئی ہے۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

(ماخوذ دیباچہ ''معارف الحدیث'')

اشاعت کے ۳۰ سال

پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ

جلد نمبر ۴۰ — شمارہ نمبر ۱۷

۱۰ر جولائی ۲۰۰۳ء مطابق ۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء)

نگران خصوصی:

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی

(معتمد تعلیم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

مدیر عام: مولانا شمس الحق ندوی

رئیس التحریر: امین الدین شجاع الدین

معاون: ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

معاون: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

- مولانا نذر الحفیظ ندوی
- مولانا عبداللہ حسنی ندوی
- مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

زر تعاون

سالانہ: -/۱۵۰ روپے ——— فی شمارہ -/۷ روپے

ایشیائی ممالک، یورپی، افریقی وامریکی ممالک ——— -/۳۵ ڈالر

ڈرافٹ میجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام بنوائیں

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat

Post Box No.93, Nadwatul Ulama Lucknow-226007

فون (دفتر) 18 2787250(Ext) مہمان خانہ (0522)2740151

Website : www.nadwatululama.org

E-mail : nadwa@sancharnet.in

thetameer-e-hayat@nadwatululama.org

مضامین ومندرجات سے متعلق سارے امور میں رئیس التحریر سے خط وکتابت کی جائے اور انتظامی امور میں مدیر عام سے رجوع کریں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے پارکھ آفسٹ پرنٹنگ پریس، نیگور مارگ لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

اداریہ

- ہم وطنوں کی آپس کی برابری کیسے ہو؟ — مولانا محمد رابع حسنی ندوی — ۲

رو برو

- ''دوسری تجویز پہلی تجویز کے برعکس تھی'' — امین الدین شجاع الدین — ۴
  فارمولہ سے متعلق صدر بورڈ سے ایک گفتگو

قرآنیات

- قرآن مجید —— ایک معجزہ — مولانا عبداللہ عباس ندوی — ۵
- قرآن اور عقیدۂ توحید — ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی — ۹

تعلیم الحدیث

- زبان کی نگہداشت — مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی — ۱۲

ایک مطالعہ

- ''نقوش سیرت'' — پروفیسر وصی احمد صدیقی — ۱۳

بحث ونظر

- آراضی مسجد کی حیثیت — مولانا رضوان القاسمی — ۱۶

عالم اسلام

- صدام حسین کی شکست کے اسباب — مولانا نذر الحفیظ ندوی — ۱۹

قند مکرر

- پیام انسانیت کے بارے میں ایک انٹرویو — مولانا اسحاق جلیس ندویؒ — ۲۱

بصائر وعبر

- باقی سب اس کے تابع ہیں — ڈاکٹر نعیم صدیقی (ابوظلی) — ۲۶

اصلاح معاشرہ

- کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — مولانا خالد ندوی غازیپوری — ۲۸

تعارف وتبصرہ

- کتابوں کی دنیا — سید محمود حسن حسنی ندوی — ۲۹

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے، ازراہ کرم سالانہ زر تعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

اداریہ

ہندوستان میں سب ہم وطنوں کی آپس کی برابری کیسے ہو؟

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی

انسان کی اجتماعیت خاندانی اجزاء سے بھی بنتی ہے، اور کسی مقام پر اکٹھا بود و باش ہونے سے بھی بنتی ہے، اور انسان کی اجتماعیت جس بنیاد پر ہو وہ اس کی زندگی کا بڑا خاصہ ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے لئے قوت بھی حاصل کرتا ہے اور اس کے ذریعہ زندگی کا معیار بھی بناتا ہے، اجتماعیت کے جہاں کچھ مشترک اثرات ہوتے ہیں وہاں کچھ مشترک تقاضے بھی ہوتے ہیں، جن کا خیال رکھنے سے اجتماعیت نہ صرف یہ کہ کارآمد ثابت ہوتی ہے بلکہ اس سے مفید نتائج اور خوشگوار حالات حاصل ہوتے ہیں۔ جمہوری نظام میں اس تقاضہ کا لحاظ کیا جاتا ہے، جمہوریت میں سب انسان برابر سمجھے جاتے ہیں اسلام نے اس برابری کی تاکید کی ہے، حضور ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطاب میں فرمایا تھا کہ تم سب آدم کی اولاد ہو گورے کالے کا فرق نہیں، لہذا سب انسانوں کو اس میں برابر سمجھنے اور برابر سمجھ کر لحاظ کرنے کی تاکید فرمائی۔

قدیم زمانوں میں عام طور پر لوگ صرف خاندانی اجزاء پر مشتمل اجتماعیت سے رہتے تھے اس صورت میں ان کی رہائشی یکجائی اور خاندانی یکجائی ایک ہوتی تھی، ان کے اجتماعی مسائل و معاملات بھی اسی یکجائی کی بنیاد پر ایک طرح کے ہوتے تھے، اس طرح ان میں آپسی فرق نہ ہونے کی بنا پر آپسی اختلاف کم ہوتا تھا بعد کے زمانہ میں جیسے جیسے تمدن و تہذیب کا غلبہ ہوا، انسان کی اجتماعیت کی شکلیں خاندانی شکل کے علاوہ بھی پیدا ہوگئیں، ایک انسان کی خاندانی و نسلی بنیاد پر اجتماعیت شروع انسانی دور میں زیادہ تھی لیکن اس کا عمل دخل معاش کی ضرورتوں کی وجہ سے لوگوں کے ادھر ادھر مختلف علاقوں میں پھیل جانے کی وجہ سے کم سے کم تر ہوتا چلا گیا اور جہاں باقی رہا عموماً محدود سطح پر رہا البتہ بود و باش اور کاروبار و دیگر تمدنی مقاصد کے تحت علاقائی بنیاد پر اجتماعیت کی صورت پیدا ہوئی، اس اجتماعیت میں، مختلف خاندان، مختلف طبقات، مختلف مذاہب کے لوگ خلط ملط ہو کر اکٹھا اور ساتھ رہتے ہیں، ایسی صورت میں آپس میں جو مختلف فرق پائے جاتے ہیں ان سے اختلاف اور کشمکش کے اسباب ابھر سکتے ہیں اور اثر انداز ہو سکتے ہیں، لہذا ایسی اجتماعیت میں اس بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ایسے اجتماعی تعلق میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ دیگر اختلاف و فرق کے سبب سے آپسی تعلق کو نقصان نہ پہونچے مختلف اجتماعی تقاضوں کا حق برقرار رکھتے ہوئے اس مشترک اجتماعیت کو قائم رکھا جائے، ایسی اجتماعیت کا حق ادا کرنے کے لئے جس میں مختلف مذاہب، مختلف نسلیں اور مختلف ثقافتیں ہوں انسانیت کے عمومی تعلق کی بنیاد سب سے موثر بنیاد ہوتی ہے، اس میں افراد کے مفادات کو انسانی مفاد پر دیکھا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر پڑوسی پر پڑوسی کے حقوق دیکھے جاتے ہیں۔ سب انسان آدم کی آولاد ہیں اس تعلق سے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں اور ایک ساتھ رہنے کی بنیاد پر ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں لہذا پڑوسی پر پڑوسی کا جو حق ہے اس کو دیکھنا چاہئے۔ اور جب سب انسان ہیں تو ایک انسان کا حق دوسرے انسان پر، خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، کسی خاندان کا ہو، کسی طبقہ کا ہو، اس کو انسانی بنیاد پر اس کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دیکھنا چاہئے۔

ایسی مشترک اجتماعیت کے لئے جس میں مختلف مذہب، مختلف نسلیں مختلف نوع کے روابط ہوں جیسا کہ ہمارے ملک ہندوستان میں ہے، جو اسی جمہوریت اور سیکولرزم کی بنیاد پر اپنا نظام حکومت رکھتا ہے زیادہ کارگر اور جامع بنیاد یہی انسانی رشتہ ہی کی بنیاد ہے، یہ ایک ایسی بنیاد ہے جس کا لحاظ

اس جیسی ہر سوسائٹی میں کیا جا سکتا ہے جو مذہبی اور طبقاتی لحاظ سے یہ تنوع رکھتی ہو، اس لحاظ سے کوئی بھی انسانی معاشرہ متنوع و مختلف بنیادوں پر مشتمل اجتماعیت رکھتے ہوئے اور یکسوئی اور یکجہتی سے اور مثبت انداز میں ترقی کر سکتا ہے، اور خطرات سے محفوظ رہ سکتا ہے، اور اس طریقہ سے انسان کے انسان کے ساتھ دوسرے قسم کے تعلقات متاثر بھی نہیں ہوتے اور زندگی آپسی تعاون اور ایک دوسرے کا لحاظ رکھتے ہوئے چلتی ہے۔

ہندوستان میں آزادی کے بعد ضرورت تھی کہ (یہ ملک ہندو مسلم سکھ عیسائی سب کی مل جل کر کوشش سے آزاد ہوا)، ہندوستان کے رہنے والوں کے تحفظ و ترقی کے مسائل کو بھی یہ سب فرقے مل جل کر حل کرتے اور اجتماعی زندگی کو خوشگوار بنانے میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے، ہندوستان کا دستور بھی اسی طریقہ کو واضح کرتا ہے، لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آزادی کے بعد مسائل کے حل کرنے میں خاندانی، مذہبی، اور طبقاتی رشتوں کو زیادہ بنیاد بنایا جانے لگا، اس کی وجہ سے وطنی اور ملکی مفادات کو مدد ملنے میں بڑی کوتاہی ہوئی، اور دیگر طبقاتی اور مذہبی ٹکراؤ اور کشمکش کے حالات پیدا ہو گئے، انسانی رشتہ کے تقاضے بھی اس میں نظر انداز ہونے لگے اس کی وجہ سے ملک میں یکجہتی کے ساتھ ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں، یہ بڑی قابل اصلاح کمزوری اور نقص ہے، جس کی طرف توجہ اچھے اچھے اہل دانش نے بھی بہت کم کی، ہر ایک نے اپنی کسی محدود اجتماعیت کی فکر تک اپنے کو محدود رکھا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جو اگرچہ بنیادی طور پر مذہبی اور علمی و تعلیمی آدمی تھے اور مذہبی، علمی و تعلیمی کاموں میں لگے ہوئے بھی تھے، لیکن ان کو اس بات کا بہت احساس ہوا، مولانا کو خیال ہوا کہ انسانی رشتہ کی بنیاد پر ہر ایک پر اس کے لئے فکر و توجہ کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اور اسلام کے لحاظ سے حلف الفضول میں بھی حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف سے اس کی تائید ملتی ہے چنانچہ انہوں نے خود اس کام کا آغاز کیا کہ انسان کو انسان کی ہمدردی کرنا چاہئے اور اس کو تحریک بنانے کی کوشش کی اور اس کا نام ''حلقہ پیام انسانیت'' رکھا۔ ✿✿✿

ذمہ داری

اللہ کے ان بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانا جو اب تک کسی وجہ سے اس سے محروم ہیں ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے۔ ہم جس معاشرہ میں رہتے ہیں اس میں یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، بازاروں میں، دفتروں میں، شادیوں کی تقریبات میں، غم و الم کے موقعوں پر، ٹرین پر، بس اور ہوائی جہاز کے سفر میں ہر جگہ اس کا موقع ہمیں ملتا ہے اور ہم مختلف موضوعات پر باتیں بھی کرتے ہیں، لین دین بھی کرتے ہیں، خوشی اور غم کے موقعوں پر ایک دوسرے کے شریک بھی رہتے ہیں۔ لیکن ایسی بھرپور شرکت کے بعد بھی ہم وہ فریضہ نہیں انجام دے پاتے جو حجۃ الوداع میں رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ نے اپنی امت کے ذمہ کیا تھا۔

کیا کبھی ہم نے سوچا کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہم سے ہو رہی ہے کیا اس کی پرسش ہم سے نہیں ہوگی؟! اگر رسول اللہ ﷺ نے روز محشر ہم سے پوچھا کہ تم نے میرے دین کی اشاعت اور اسے دوسروں تک پہنچانے کا کیا کام کیا، تو ہم کیا جواب دیں گے؟

کیا ہمارا جواب یہ ہوگا کہ یہ کام صرف صحابہ کرامؓ کا تھا، ہم تو تجارت کرنے میں لگے رہے وقت ہی نہیں ملا، ہم تصنیف و تالیف میں مشغول رہے، تحقیقی کام کرتے رہے اور ملازمت میں پھنسے رہے، اپنی بیوی بچوں کی آسائشوں کی فراہمی نے فرصت ہی نہیں دی، یا یہ کہ ہم کو کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام بھی ہم کو کرنا ہے۔

ذرا دل و دماغ پر زور ڈال کر جواب دیجئے کہ ہمارا اس وقت کیا جواب ہوگا؟

(مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی)

روبرو

''پہلے والی تجویز تو خود شنکر اچاریہ صاحب نے واپس لے لی اور دوسری تجویز بالکل اس کے برعکس تھی''

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ) سے ایک گفتگو

امین الدین شجاع الدین

(تقریباً ایک ماہ سے بابری مسجد/رام جنم بھومی قضیہ کے سلسلہ میں کانچی کے شنکر اچاریہ کا فارمولہ موضوع بحث بنا رہا اور اب بھی اس پر تبصروں کا سلسلہ جاری ہے، ذرائع ابلاغ کی غیر معمولی ترقی، برق رفتاری اور ایک عام آدمی تک بآسانی اس کی رسائی کی وجہ سے یہ توقع کرنا بے جا نہیں تھا کہ اس قدر وسائل کی موجودگی میں معاشرہ کے لئے کسی بھی مسئلہ کی صحیح صورتِ حال کا جاننا اور سمجھنا کچھ بھی مشکل نہ ہونا چاہئے، مگر افسوس کہ صورتِ حال اس کے برعکس ہے، یہ بات قدروں کا زوال ہی کہلائے گی کہ میڈیا نے خود کو اس قدر بے اعتبار بنا لیا ہے کہ کسی بھی خبر کے ''سچ'' کو جاننا اور غیر جانبداری اور کھری صورتِ حال سے واقف ہونا مشکل ہو گیا ہے۔ میڈیا کا کام خبر دینا ہونا چاہئے، مگر افسوس کہ عموماً اس کا پیشہ ''خبریں تراشنا'' ہو گیا ہے، اور اس میں ''رنگ آمیزی'' کرنا ہو کر رہ گیا ہے۔ ''حقیقت بیانی'' اور ''شہادت حق'' کے نام نہاد فریضہ کی ادائیگی کے نام پر قیاس آرائیاں کرنے اور بدگمانیاں پھیلانے سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھتا چلا جاتا ہے، اور اس طرح وہ میڈیا جسے ''کامل رہبر'' کا کردار ادا کرنا چاہئے تھا وہ ''قاتل رہزن'' بن جاتا ہے۔ افسوس کہ شنکر اچاریہ صاحب کے فارمولہ کو موضوع بنا کر جن خیالات اور فکر کو پیش کرنے اور عام کرنے کی کوشش کی گئی عموماً ان کا رخ منفی اور گمراہ کن رہا۔

''۷ر جون سے ۶ر جولائی تک'' بابری مسجد کے قضیہ کی تاریخ کا ایک باب ہے، اس کا سچ کیا ہے، شنکر اچاریہ کی تجویز بورڈ نے مسترد کی یا واپس کی، اس عنوان سے جو قیاس آرائیاں کی گئیں ان کی حقیقت کیا ہے، شنکر اچاریہ صاحب کے دونوں خطوط اور پھر ان دونوں خطوط کی روشنی میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کے Resolution کی بنیاد پر کون سا Message گیا ہے اور کیا تاثر قائم ہوا ہے؟ ان سوالات کے جوابات کے لئے ملاحظہ فرمایئے: صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کا درج ذیل انٹرویو ——— جس میں ماضی کی یادیں بھی ہیں، حال کی صحیح اور سچی تصویر کشی بھی اور مستقبل کے لئے بصیرت مندانہ رہنمائی بھی ——— کثرت کار کے باوجود مولانائے محترم نے اس کے لئے اپنا بیش قیمت وقت عنایت فرمایا جس کے لئے ہم ان کے نہایت شکر گزار ہیں، امید ہے کہ یہ وقیع انٹرویو توجہ سے پڑھا جائے گا اور مسئلہ کی صحیح نوعیت اور واقعی صورت حال سے واقفیت کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوگا)۔

سوال: تقریباً ایک ماہ سے جناب والا اور شنکر اچاریہ سوامی جیندر سرسوتی جی کے مابین ملاقات اور پھر مراسلت (بالخصوص فارمولہ) کو میڈیا اپنا موضوع بنائے ہوئے ہے۔ ہم جناب والا کی زبانی سننا چاہتے ہیں کہ اس فارمولہ کی تفصیلات اور حقیقت کیا ہے؟

جواب: اس کی ایک تاریخ اور ایک پس منظر ہے کہ جو کانچی پورم مٹھ ہے (جو مدراس سے ۷۲ کلو میٹر پر واقع ہے) وہاں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ موجودہ شنکر اچاریہ جی کے پیش رو شنکر آچاریہ صاحب سے ملنے کے لئے اپنے تعلق کی بعض بااثر شخصیتوں کے توسط سے بابری مسجد کی بازیافت کی کوشش کے لئے تشریف لے گئے، یہ غالباً ۱۹۹۰ء کے آخر کی بات ہے اس وقت تک بابری مسجد کی عمارت قائم تھی، صرف اس کے اندر بت رکھے گئے تھے اور اس کو مندر کی حیثیت دے کر ہندوؤں کے حوالے کیا گیا تھا مولانا علی میاں کے پیش نظر اس ملاقات (بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

اعجاز قرآن

گزشتہ سے پیوستہ

قرآن مجید ——— ایک معجزہ

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی زیر تصنیف کتاب کا ایک غیر مطبوعہ باب

انعام وعذاب کی انتہائی شکل

دنیا میں کوئی حکمراں، صاحب طاقت، یا مالدار شخص کسی پر مہربان ہو جائے تو جو اس کے پاس ہے سب دے سکتا ہے۔ دولت، جائداد، بڑے سے بڑا منصب وعہدہ، اسی طرح اگر کوئی طاقتور کسی کمزور دشمن پر قابو پا جائے تو اس کے جسم کی کھال ادھیڑ سکتا ہے۔ اور ہزاروں دردناک واقعات سننے میں آئے ہیں، کسی نے اپنے مخالف کے تالو سے زبان کھینچ لی، مجازاً نہیں بلکہ حقیقت واقعہ ہے، اسی طرح فلسطین، کشمیر، گجرات اور بعض ہندوستان کے صوبوں میں ہو رہا ہے۔ بیٹے نے باپ کی آنکھوں میں سلاخیں ڈال کر اس کو اندھا کیا ہے، پھر بے رحمی کے ساتھ قتل کیا ہے، نازیوں نے جسمانی و روحانی ایذاء پہنچانے کے لئے طرح طرح کی سزائیں تجویز کیں اور اس پر ریسرچ کیا گیا کہ کس طرح دشمن کو ایذاء پہنچائی جائے کہ اس کو موت بھی نہ آئے اور درد وعذاب جھیلتا رہے۔ جرمنی کا ایک تربیت یافتہ گروہ ایک عرب ملک میں لایا گیا تھا جو اپنے دشمنوں کو سزائیں دیا کرتا تھا اور سر شام ان مظلوموں کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر لے جایا جاتا اور رات بھر ایذاء پہنچا کر صبح جیل خانہ کی تنگ وتاریک کوٹھریوں میں ڈال دیا جاتا ہے، جہاں زخموں سے چور پیاسے مریض کے لئے کھڑے ہونے کی جگہ بھی نہیں ہوتی۔ (۱) مگر یہ عذاب جتنے بھی سخت گذرے ہوں ان کی ایک عمر تھی جو پھانسی پر ختم ہو جاتی۔ مگر آخرت کے انعام وعذاب کا جہاں جہاں قرآن میں ذکر آیا ہے وہاں ہے "خالدین فیھا" اس میں ہمیشہ ہمیش رہنے والے "ھم فیھا خالدون" جہاں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے، دنیا کی ہر نعمت اس وقت ہیچ نظر آنے لگتی ہے جب نعمت سے لطف اٹھانے والا مر جاتا ہے یا بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے۔ مگر آخرت میں ہمیشہ یکساں، جوان اور تازہ دم ہر نعمت سے لطف حاصل کرنے والا ہوگا۔ ان دونوں (ثواب و عقاب) کی آخری حد جو قرآن نے بتائی ہے، وہاں تک عقل انسانی کی رسائی ناممکن ہے۔

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (حم سجدہ۔۳۱)

''اور تمہارے لئے اس (جنت) میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے، موجود ہے''

اور جہاں عذاب کی آخری حد بتائی گئی ہے وہ ایک محیر العقول طرز تعبیر ہے اس درجہ سادہ دو لفظوں میں جس کی ہیبت کا اندازہ کرنا انسان کے لئے ممکن نہیں۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا (المزمل۔۱۷)

''سو اگر تم (بھی بعد پہنچے، رسول کی نافرمانی اور) کفر کرو گے تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔''

''وہ دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا! اللہ اکبر! کوئی تصور کر سکتا ہے اس کی ہیبت ناکی کا، دہشت و خوف، اور عذاب کو زندہ مجسم شکل میں دکھایا ہے، جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب اور ان کے اقسام قرآن کریم میں تفصیل سے بھی آئے ہیں جیسے سورۂ واقعہ، سورۂ عم میں اور کہیں ایجاز کے ساتھ پوری داستان کو دو لفظوں میں سمیٹ دیا گیا ہے دونوں مقامات پر ایجابی طرز بیان ہے دو تین لفظوں میں وہ مناظر بتا دیئے گئے ہیں کہ آدمی سوچتا رہے اور خود اس کی عقل حیرت زدہ رہ جائے۔ قرآن کریم کا یہ معجزہ ہر اس شخص کی سمجھ میں آ سکتا ہے جو براہ راست یا ترجمہ کے ذریعہ قرآن پڑھتا ہے۔

قرآن کریم کی بلاغت جو معمولی سے معمولی صلاحیت رکھنے والا انسان سمجھ سکے، اور دنیا کی کسی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کر دیجئے تو اس کے معجزہ ہونے کا یقین پیدا ہو جائے ان میں ایک آیت یہ بھی ہے۔

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرہ۔۲۶۲)

ان لوگوں کو ان (کے اعمال) کا ثواب ملے گا، جو ان کے پروردگار کے پاس، اور نہ ان کو کوئی خطرہ ہوگا اور نہ یہ مغموم ہوں گے (ناداری کے وقت)

خوف مستقبل کا ہوتا ہے، اور غم ماضی کا، کسی کا کوئی عزیز مر گیا، یا مال تلف ہو گیا، یا تجارت ناکام رہی اور مالی نقصان ہوا، اس کا غم طبیعت انسان کا خاصہ ہے اور اس کا تعلق ماضی سے ہے، اور آئندہ کیا ہوگا، اگر تجارت ناکام رہی تو کتنا خسارہ

ہوگا؟ الیکشن ہار گئے تو کتنی شرمندگی ہوگی۔ اور مال جائے گا، یہ بیمار کہیں مر گیا تو پھر ہم کیسے رہیں گے؟ وغیرہ وغیرہ ان سب کا تعلق مستقبل سے ہے اور آدمی دنیا میں انہی دونوں (ماضی مستقبل) کے درمیان رہتا ہے۔ مگر وہ جو اللہ کو راضی رکھتا ہے کہ جو ہوا اللہ کے حکم سے ہوا اور جو ہوگا اللہ کے حکم سے ہوگا وہ مطمئن رہتا ہے۔ مطمئن ہی نہیں رہتا بلکہ تندرست رہتا ہے، اس کو دلی مسرت حاصل رہتی ہے۔ ان دو لفظوں کی آیت میں جو ایجابی الفاظ پر مشتمل ہے کائنات کی کتنی بڑی حقیقت آ گئی جو بڑے سے بڑے حکیم و دانا کے بس میں نہیں تھا کہ اتنی بڑی حقیقت اس درجہ مختصر الفاظ میں کہہ دے۔ اس آیت کو زبان سے ادا کیجئے بار بار پڑھئے کہیں آپ زبان پر گرانی محسوس نہیں کریں گے۔ کوئی ثقالت، پیچیدگی نہیں محسوس ہوگی، جیسے عبرانی نصیحت کا ایک لفظ ہے۔ "ہسقن شراب تخلبون (۱)

(۱) لغات سامیہ کے رسم الخط پروفیسر نیاربوٹ یونیورسٹی آف شیکاگو۔

اور کہاں "لا خوف علیھم ولاھم یحزنون" کوئی شخص آپ سے پوچھے کہ ایک مسلمان کو دنیا میں کیا دولت ملتی ہے، جبکہ وہ چوری نہیں کرتا، جوا نہیں کھیلتا، کسی کا ناجائز مال نہیں کھاتا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ مال و وجاہت کا حاصل صرف دنیا کی زندگی میں اطمینان اور مسرت کا حصول ہے اور مسرت ایک مرد مومن کو بغیر کسی کا حق مارے صرف اپنے فرائض انجام دینے کے عوض مل جاتی ہے۔ ایک شخص جائز یا ناجائز طریقہ پر دولت حاصل کرتا ہے یا کسی منصب کو پالیتا ہے، سواری کے لئے عمدہ سے عمدہ گاڑیاں رکھتا ہے اور ان کے حصول میں اس نے اپنی زندگی لگا دی ہو، جائز اور ناجائز، حلال اور حرام کی تمیز نہ کی ہو، کسی کے دل ٹوٹنے، اور مصیبت میں مبتلا ہونے کی پرواہ نہیں کی ہو، اور یہ سمجھتا رہا ہو کہ ان چیزوں سے جو اس نے حاصل کی ہے اطمینان قلب حاصل ہوگا۔ جبکہ بعد میں اس کو پتہ چلتا ہے کہ جن چیزوں کو وہ آرام و آرائش کا ذریعہ سمجھ رہا تھا وہ درحقیقت عذاب ہے دوسرے لوگ جن کو کوٹھیاں، موٹریں، بینک بیلنس اور جائدادیں حاصل نہیں ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس شخص نے دنیا کی ساری نعمتیں سمیٹ لی، مگر جس شخص نے یہ نعمتیں سمیٹ لی ہیں اس کے دل و دماغ سے پوچھئے کہ وہ آگ کے انگارے پر اپنے آپ کو لوٹتا ہوا محسوس کرتا ہے، خطرات سے گھرا ہوا ہوتا ہے، طرح طرح کی سازشیں اس کا پیچھا کرتی ہیں۔ اور ایک کے لئے مستقبل کے خوف اور ماضی کے غم سے نجات نہیں پاتا، تو بتایئے کہ جس کو اللہ کی اطاعت اور رسول کی فرمانبرداری سے یہ نعمت مل جائے وہ کتنا کامیاب ہوگا، یہ تمام باتیں قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے سمجھی جاسکتی ہیں۔

"ولکم فی القصاص حیاۃ" کسی کو جان سے مارنے کی سزا یہ ہے کہ اس کو بھی قتل کر دیا جائے، اگر ایسا کیا گیا تو پھر دوسروں کی ہمت نہیں پڑے گی کہ کسی کے قتل کا ارتکاب کریں، قاتلوں کی ہمت پست ہو جائے گی، اور یہ جرم ختم ہو جائے گا، یہی زندگی ہے۔ لہٰذا اسلامی طریقہ پر سزا دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہزاروں کی زندگیاں شر سے محفوظ رہیں گی، قرآن کریم نے ایک اُمّی کی زبان سے اتنی بڑی حقیقت کس درجہ سادہ اور ایجابی لفظ میں ادا کر دی، صرف لفظ "القصاص حیاۃ" کے مقابلہ میں عربوں کے قدیم فارمولے مثلاً القتل انفی للقتل" میں اس کے عشر عشیر بھی بلاغت نہیں ہے، ایک تو قتل قتل، ایک لفظ کو ایک جملہ میں دو مرتبہ دہرانا جملہ میں ثقالت نہیں ہے، جملہ کی موزونیت جس کو آجکل کی اصطلاح میں موسیقیت کہتے ہیں، اس عربی فارمولے سے بعید ہے اور قرآنی آیت میں لفظ "حیاۃ" ہے یعنی زندگی، اس کو سن کر انسان کشش محسوس کرتا ہے، تفصیل ملاحظہ ہو۔ الرّمانی کتاب "النکت فی اعجاز القرآن" (ان صفحات میں الرمانی کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم دوبارہ اس لفظ پر بحث کریں گے۔

اسی طرح قیامت کے روز عذاب کا نقشہ صرف ایک آیت میں قرآن کریم نے پیش کیا ہے جس سے زیادہ پُر معنی اور واضح نقشہ آئینہ میں بھی نظر نہیں آسکتا فرمایا گیا۔

لا یموت فیھا و لا یحیٰ (سورہ اعلیٰ۔۱۳)

"نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ (آرام کی زندگی) جئے گا۔"

آدمی مصائب میں مبتلا ہو کر ایسی بے چینی اور گھٹن محسوس کرتا ہے کہ موت کی تمنا کرنے لگتا ہے، بہت سے مصائب میں افراد خودکشی کے مرتکب ہو جاتے ہیں، کینسر کے مریض جب آپریشن پر آپریشن کرانے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کے جسم کے حصے کاٹ کر علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں اس وقت ڈاکٹر بھی مریض کے تیمار داروں سے کہتے ہیں کہ تم اپنے مذہب کے مطابق اپنی عبادت گاہ میں جا کر اپنے خدا کو پکارو اور فریاد کرو کہ اس مریض کو دنیا سے اٹھا لے۔ جتنا جلد دنیاوی عذاب سے چھٹکارا پائے گا اس کو راحت ہوگی۔ اب تو مریض کو تکلیف سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ اس کو ہلاک کرنے کا انجکشن دے کر اس پر رحم کیا جائے۔ لہٰذا عذاب جو ٹلنے والا نہ ہو اور جس کی انتہا بھی نہ ہو اس سے زیادہ عذاب کا تصور ناممکن ہے۔

انسان کی تخلیق

انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر فوقیت دی ہے، اور اسے کچھ خصوصیات سے نوازا ہے۔ عقل، دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا سلیقہ، اور خیر و شر میں کس شے کو اختیار کرنے یا چھوڑنے کا ایک محدود درجہ میں اختیار، ان خصوصیات نے اس کے لئے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب مسخر کر دیا ہے مسخر کرنے کا مفہوم اس کو قابو میں دے دیا ہے۔ اور ان پر تصرف کرنے کی، ہزار محدود سہی، قوت عطا فرمائی ہے۔ اس انسان کی تخلیق کس طرح کی، کیا تدریجی مراحل پیش آئے اس کو ابتداء سے انتہا تک قرآن کریم میں واضح کر دیا ہے ان آیات کریمہ میں معجزاتی پہلو یہ ہے کہ آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے ایک نبی اُمّی کی زبان مبارک سے جو کہلایا اس پر سیکڑوں برس طبی تحقیقات نہ اضافہ کر سکی اور نہ کسی کمی کی نشاندھی کر سکی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّا خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (سورۂ طارق ۵-۷)

"تو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اُچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینہ (یعنی تمام بدن کے درمیان سے) نکلتا ہے۔"

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ذرا اس قطرہ کی حیثیت دیکھو اور پھر اس سے جو تعمیر ہوئی ہے وہ انسانی عمارت دیکھو اگر انسان و جن سب مل کر اپنی ساری دماغی اجمالی، عقلی طاقتیں صرف کرنے کے بعد چاہتے کہ ایک قطرۂ حقیر سے سننے کی قوت، دیکھنے کی صلاحیت سوچنے سمجھنے والی عقل، علم و مقدرت اور روح پیدا کر سکیں تو کامیاب ہو سکتے تھے؟ سب کو چھوڑو ایک چھوٹی سے چھوٹی ہڈی بلکہ ایک باریک سے باریک رگ بلکہ ایک بال بھی پیدا کرنا چاہتے تو عاجز رہتے"۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ ذات بے ہمتا، وہ صاحب قوت و حکمت، جو آسمانوں اور اس کے طبقات زمین اور اس کی تہوں کو بنانے والا اور سب کو ایک نظام میں ڈھالنے والا وہ ایک قطرہ سے سب کچھ پیدا کر سکتا ہے۔ ایک جیتا جاگتا انسان جو سوتا ہے اور جاگتا ہے، سوچتا ہے اور فیصلے کرتا ہے، کبھی سیدھا چلتا ہے اور کبھی لڑکھڑا کر گرتا ہے کبھی اکڑتا ہے اور تکبر کرتا ہے اور کبھی اپنی حقیقت کو پہچان کر سر بندگی اللہ کے آگے خم کرتا ہے۔ جو ذات ایک نجس قطرہ سے اولیاء اور انبیاء صالحین اور ان کے ساتھ معاندین و متکبرین کو پیدا کر سکتی ہے اگر وہ اللہ چاہے تو آسمانوں و زمینوں کی عظیم مخلوقات کو کس کس طرح بدل سکتا ہے آفتاب ماہتاب کی گردش، چاند تارے، روشنی تاریکی، کیا کچھ پیدا نہیں کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۔ (المومنون ۱۲-۱۳)

"اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا پھر ہم نے اسکو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ فَجَعَلْنٰهُ فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ۔ (المرسلات ۲۰-۲۳)

"کیا ہم نے تم کو ایک بے قدر پانی (یعنی نطفہ) سے نہیں بنایا پھر ہم نے اس کو ایک وقت مقررہ تک ایک محفوظ جگہ یعنی عورت کے رحم میں رکھا غرض ہم نے ان تصرفات کا ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیسے اچھے اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔"

اور دوسری سورۃ میں ارشاد ہوا۔

یخلقکم فی بطون امھا تکم خلقًا من بعد خلق فی ظلمات ثلاث

(الزمر۔۵)

"وہ تم کو ماؤں کے پیٹوں میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں"

علم تشریح کے علماء اور جسمانی ساخت اور جسم کے ہر عضو کے حدود عمل پر بحث کرنے والے دانشوروں نے اب جا کر وہ بات سمجھی ہے اور کہی ہے جو صدیوں پہلے اللہ نے اپنے نبی برحق کی زبان سے کہلا دیا تھا، قرآن کریم کا ایک ایک نقطہ اور شوشہ معجزہ ہے۔ انسان کی پیدائش کے مراحل جو قرآن کریم نے بیان کئے ہیں ان کی فلسفیانہ تشریح اور عصر حاضر کی تفہیم پر ہم آگے دوسرے ابواب میں بحث کریں گے اس باب میں صرف ایک پہلو دکھانا تھا، کہ قرآن کے مضامین اور اس کے مندرجات اپنی جگہ ایسے معجزات ہیں جن کو جاننے اور سمجھنے کے لئے قرآن کی بلاغتِ لسانی نہ جاننے والے بھی مستفید ہو سکتے ہیں، اس طرح انسان کی موت سے متعلق دیکھئے اس عظیم معجزانہ کتاب نے کیا نقشہ کھینچا ہے۔

انسان کا دنیا سے فنا ہونا

جس طرح انسان تین تاریکیوں سے نکل کر زندگی کی روشنی دیکھتا ہے یعنی پیٹ، پیٹ کے اندر رحم،

(بچہ دانی) اور اس کے اندر وہ تھیلی جس میں ایک قطرہ جما ہوا خون بنتا ہے پھر لوتھڑا اور لوتھڑے کو ہڈیوں کا ڈھانچہ پہنا کر جسمانی وجود بخشا۔ اس طرح یہ جسم جب اپنا پورا کام کر لیتا ہے اور اس کو فنا کرنا مقصود ہوتا ہے جو کہ نظام فطرت ہے تو پہلے موت کی غشی دل ودماغ کو ماؤف کرتی ہے، پھر آنکھیں تنگ جاتی ہیں۔ اور سکرات کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ پوری مشین بند کر دی جاتی ہے قرآن کریم کی زبانی اس مرحلہ کی تدریجی کیفیت سنئے۔

فلولا اذا بلغت الحلقوم و انتم حینئذ تنظرون ونحن أقرب اليه منكم ولكن لاتبصرون

(الواقعہ ۸۳۔۸۵)

"روح جس وقت حلق تک آ پہنچتی ہے اور تم اس وقت تکا کرتے ہو اور ہم اس وقت مرنے والے سے، تم سے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم سمجھتے نہیں۔"

كلا اذا بلغت التراقي وقيل من راق وظن أنه الفراق والتفت الساق بالساق الى ربك يومئذ المساق

(القیامۃ ۲۶۔۳۰)

"ہرگز ایسا نہیں جب جان ہنسلی تک پہنچ جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی جھاڑنے والا ہے اور اس وقت وہ (مردہ) یقین کر لیتا ہے کہ یہ مفارقت دنیا کا وقت ہے اور شدت سکرات سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے اس روز تیرے رب کی طرف جانا ہوتا ہے۔"

ان الله فالق الحب والنوى يخرج الحى من الميت و يخرج الميت من الحى (الانعام۔۹۵)

"بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو وہ جاندار (چیز) کو بے جان (چیز) سے نکال لاتا ہے (جیسے نطفہ سے آدمی پیدا ہوتا ہے) وہ بے جان (چیز) کو جاندار (چیز) سے نکالنے والا ہے۔"

جب جان جسم کا ساتھ چھوڑتی ہے اور جسم میں اتنی قوت نہیں رہ جاتی کہ روح کو برداشت کرے اس وقت بدن کی یہ کیفیت ہوتی ہے جس کو کسی نے یوں بتایا ہے کہ "بوتل کے تنگ دہانہ میں کوئی چڑیا نکلنے کے لئے پھڑ پھڑا رہی ہو" وہ کیفیت جب اپنے عزیزوں اور قریب ترین افراد خاندان یہاں تک کہ فرزندوں اور بیٹوں سے دیکھی نہیں جاتی، اس کی نوعیت قرآن کریم کی معجزانہ زبان میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔ ایک طرف انسان کی بے چارگی کی مکمل تصویر ایک جملہ میں آ گئی ہے۔

"فلولا اذا بلغت الحلقوم"

"جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے (جیسے کوئی پرندہ باہر نکلنے کے لئے پھڑ پھڑا رہا ہو)"

وانتم حينئذ تنظرون

"اور تم اس وقت بس دیکھا کرتے ہو۔"

سوچئے! اور اگر آپ نے کسی کی جاں کنی کا منظر دیکھا ہے کہ انسان جس کی روح نکل رہی ہوتی ہے وہ کیا کرتا ہے اور کیا کر سکتا ہے نہ بول سکتا ہے نہ سن سکتا ہے نہ ایک پل کے لئے سکون پاتا ہے ارد گرد اپنے گھر والوں کو دیکھ رہا ہے، تک رہا ہے، موت کی سنگین ساعت اور انسان کی بے بسی کی تصویر اور صرف ظاہری نہیں بلکہ اندرونی بے چینی کا نقشہ دو جملوں میں بغیر کسی مبالغہ آرائی کے بغیر کسی صنائع و بدائع کا سہارا لئے نہ مجاز و کنایہ، استعارہ کی زبان سے دور کسی زبان میں ممکن تھا؟ ہم اسی کو معجزہ کہتے ہیں۔

دوسری آیت ملاحظہ ہو موت کی ساعت آ چکی ہے، روح سینے سے نکلنے کے لئے بے تاب ہے دنیاوی زندگی میں دوا، دعا، جھاڑ پھونک پر اعتبار کرنے والے اپنی بے چارگی کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئی جھاڑ پھونک والے کام نہیں آ رہے ہیں اس کو تمثیلی جملوں میں فرمایا جاتا ہے۔

وقيل من راق؟ اور کوئی پوچھنے والا پوچھ رہا ہے کوئی جھاڑنے پھونکنے والا۔ اگر زندگی بھر بزرگوں، درویشوں، اور فقیروں کے دروں کی خاک چھانتے رہے اب وقت آ گیا ہے کہ جان لو کہ صاحب قدرت صرف ایک اللہ تھا اور ہے۔ یہ ہے توحید خالص کی دعوت۔ اور ایسے وقت میں مرنے والے کو دیکھ کر زندہ رہنے والے انسانوں کے لئے قابل عبرت ہے۔ زندہ رہنے والا تو صرف اللہ ہے۔ یہاں زندہ رہنے والوں" سے اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جو ابھی حکم الٰہی سے زندہ ہیں اور موت کے منتظر ہیں۔

تیسری آیت۔ ان الله فالق الحب والنوى" بتا رہی ہے کہ وہ ذات احدیت جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس کے نزدیک زندگی کا عطا کرنا اور زندگی کو فنا کرنا دونوں آسان ہے۔ جو ایک بیج سے تناور درخت پیدا کر سکتا ہے اور بیجان (نطفہ) سے جاندار (روح رکھنے والی مخلوق) نکالتا ہے اور زندہ مخلوق کو پھر مٹی میں ڈال کر بے جان کرنے والا ہے۔ سب اس کے دست قدرت کا کرشمہ ہے۔

حیات وممات کے یہ حقائق انسان سے پوشیدہ نہیں ہیں مگر ان کی تفصیل وحقیقت آج ایکسرے، الٹراساؤنڈ، اور سنطرہ (انجوگرافی) کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے ان کو قرآن نے آج سے پندرہ سو برس پہلے ایک اُمّی کی زبان سے بتا دیا تھا یہی معجزہ ہے۔

فرآنیات

قرآن اور عقیدۂ توحید

زیر تصنیف کتاب "قرآن کی روشنی میں" کا ایک مضمون

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

ہم سب توحید کے عقیدے پر ہیں لیکن قرآن میں عقیدۂ توحید پر جو اہمیت دی گئی ہے اس سے ہم سب غافل ہیں۔ اسلام عقیدہ اور عمل کا نام ہے۔ وہ عقیدہ جو اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے انبیاءؑ کے ذریعے مخلوق کو بھیجا، اور عمل وہ عمل ہے جو ان انبیاءؑ نے اپنی امتوں کو بتایا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ہمیں جو عقیدہ وعمل بتایا، اس کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ مسلمان کا عقیدہ تب ہی مکمل ہوتا ہے جب اسے قرآن کریم اور سنت سے واقفیت ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر وہ عمل جو قرآن وسنت کے مطابق نہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی مقبولیت نہیں ہے اس لیے کہ ہمارے نزدیک معیار یا پیمانہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ ہماری ذاتی پسند یا ناپسند اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ اللہ نے اپنا معیار قرآن کے ذریعہ اور اپنے نبی ﷺ کے ذریعہ واضح کر دیا ہے اس لیے عمل صالح کی یہی تعریف ہے کہ وہ عمل جو اللہ کی مرضی اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، اگر ایسا نہیں تو اللہ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں۔ کفار میں سے یہودی، عیسائی، ہندو وغیرہ بھی نیک کام کرتے ہیں، انھیں ان کاموں کا دنیا میں ہی پھل مل جاتا ہے لیکن اللہ کے ہاں ان کاموں کا کوئی مقام نہیں۔

قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ عقیدۂ توحید پہلی مرتبہ مسلمانوں کو ہی نہیں ملا بلکہ "وما أرسلنا من قبلك من رسول الا نوحى إليه انه لا اله إلا أنا فاعبدون" (الانبیاء:۲۵) "اے نبی ﷺ ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی نبی بھیجے، ان پر یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میری ہی بندگی کرو"۔

یہاں آخری جملہ براہ راست اللہ کی طرف سے خطاب ہے۔ رسول ﷺ سے قبل جتنے بھی نبی آئے، سب کا یہی پیغام تھا یعنی لا الہ الا اللہ اور اب اس کے ساتھ محمد رسول اللہ کہنا ضروری ہے، اس کے بغیر عقیدے کی تکمیل نہیں ہوتی۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو جبل طور سینا میں نبوت عطا کی تو اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا:

يا موسى إنى أنا الله لا إله الا أنا فاعبدونى أقم الصلاة لذكرى (طٰہٰ:۱۴) "اے موسیٰ، میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تم میری ہی بندگی کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو"۔

ہمیں قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ عقیدہ توحید جسے انبیاء کے ذریعہ بھیجا گیا، فطرت انسانی بھی ہے یعنی انسان کی فطرت میں یہ ودیعت کیا گیا ہے، اگر کسی بچے کے دماغ پر اس کے خاندانی ومعاشرتی اثرات نہ ڈالیں تو وہ یقیناً موحد رہے گا اور اس کے لیے یہ آیت ہے:

فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون (الروم:۳۰) "اے نبی ﷺ اپنے رخ کو میری بندگی کے لیے یک سو ہو کر موڑ دو کیونکہ یہی وہ فطرت ہے جس کی جانب اللہ نے انسانوں کو مفطور کیا (یعنی ان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے) کہ اللہ کی بندگی کریں سب سے توجہ ہٹا کر۔ اللہ تعالیٰ نے جو تخلیق کیا ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہی محکم اور صحیح دین ہے لیکن بہت سے لوگ اس بات کو نہیں جانتے"۔

اسی بات کو حدیث نبوی ﷺ میں یوں فرمایا گیا ہے:

كل مولود يولد على الفطرة ولكن ابواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه "ہر بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں یا مجوسی (آتش پرست) بنا دیتے ہیں"۔

اس زمانے میں تین مذاہب معروف تھے لیکن اب ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہندو بھی بنا دیتے ہیں۔ یہ سارے خاندانی اثرات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے بچہ موحد نہیں بنتا۔ اگر یہ اثرات اس پر نہیں پڑیں تو ہر بچہ موحد ہوگا، ایک مشہور اندلسی فلسفی ابن طفیل نے ایک کتاب لکھی ہے "حی بن یقظان" اس کتاب میں یہی لکھا ہے کہ مسلمان سوسائٹی میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے، وہ عقیدۂ توحید پر اپنی سوسائٹی کے اثر سے قائم رہتا ہے۔ اس کے برعکس ایک بچہ جنگل میں پیدا ہوتا ہے، جانوروں میں رہتا ہے، ایک ہرنی اسے اپنا دودھ پلا کر پرورش کرتی ہے، جب وہ بچہ باہر معاشرے میں آتا ہے تو پہلے والا بچہ جو فلسفی اور موحد بن گیا اور یہ جس کی پرورش جنگل میں ہوئی۔ یہ دونوں ایک ہی خیال کے یعنی عقیدۂ توحید پر ہوتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ عقیدۂ توحید اول روز سے انسانی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا۔ بعد میں عقیدۂ توحید میں اختلاف رونما ہوا جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا:

وما كان الناس الا امة واحدة

فاختلفوا (یونس:۱۹) ''شروع میں سارے انسان ایک ہی قوم تھے لیکن بعد کو ان میں اختلاف پیدا ہو گیا''۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں اور زمانوں میں انبیاء کو بھیجا تا کہ اختلافات ختم کرا دیں اور دوبارہ دینِ توحید کو عام کریں۔

مذہب اسلام کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد ان کی اور ان کی اولاد کی رہنمائی کی لیکن مغربی مادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان ابتدا میں Animist یعنی مظاہر کائنات اور جانوروں کی پرستش کرنے والا تھا پھر رفتہ رفتہ وہ توحید تک آیا، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر انسان درجہ بہ درجہ ترقی کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے تو پھر آج وہ مادہ پرست کیوں ہے؟ قدیم انسان اگر جانوروں اور درختوں کی پرستش کرتا تھا تو موجودہ انسان مادے کی پرستش کرتا ہے، یہ نہ تو خدا کا قائل ہے اور نہ ہی آخرت کا قائل ہے۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ ابتدا میں انسان توحید پرست تھا، بعد میں انسان اس عقیدے سے بھٹکتے رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء آتے رہے اور توحید کا بھولا ہوا درس دیتے رہے، یہاں تک کہ اٹھارہویں صدی کے جرمن مستشرق Max Wheeler نے بھی لکھا ہے کہ ابتدا میں ہندو مذہب بھی توحید پر تھا اور اس کی دلیل ملتی ہے ارتھ شاستر سے جس میں دیگر غلط باتوں کے علاوہ وہ باتیں بھی ہیں جو قرآن وحدیث میں آئی ہیں، ہندوؤں کے یہاں بھی شروع میں وحدانیت تھی، بعد میں انھوں نے بے شمار بت بنا لیے اور گمراہ ہو گئے۔

توحید کا اولین مرحلہ تو یہ ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ صرف اللہ ہی ہمارا اور اس کائنات کا خالق ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ ہم کسی اور کو اس کا شریک نہ سمجھیں۔ سورہ عنکبوت میں فرمایا گیا:

ولئن سألت من خلق السموٰت والارض وسخر الشمس والقمر ليقولن الله فأنى يؤفكون (عنکبوت:۶۱) ''اے نبی ﷺ جب آپ ان سے پوچھیں گے کہ یہ آسمان اور زمین کس نے پیدا کیے ہیں؟ اور یہ سورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخر کیا ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی نے پیدا کیے ہیں، (یہ بات ہے) تو وہ پھر کہاں اوندھے ہوئے جا رہے ہیں (یعنی کیوں اٹکل پچو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو اس کا شریک بنا رہے ہیں)۔

سورۂ مومنون میں فرمایا گیا:

لقد وعدنا نحن وآبانا هذا من قبل ان هذا الا اساطير الاولين (المومنون:۸۳) ''یہ بات کہی گئی ہم سے اور ہمارے آباو اجداد سے (کہ مرنے کے بعد تمھیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا) یہ تو محض پرانی کہانیاں ہیں''۔

اس کے بعد مسلسل چھ آیتوں (۸۴ تا ۸۹) میں فرمایا گیا:

''اے نبی ﷺ ان سے کہیے کہ اگر تمھیں معلوم ہے تو بتاؤ کہ یہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے وہ کس کا ہے؟ وہ کہیں گے اللہ، تو پھر آپ ان سے کہیے کہ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو؟''۔

اس کے بعد فرمایا:

''اے نبی ﷺ ان سے کہیے سات آسمانوں کا اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ اللہ ہے، تو پھر ان سے کہیے کہ ایسے خدا کی نافرمانی سے تم بچتے کیوں نہیں؟ اے نبی ﷺ ان سے کہیے کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز کی ملکیت (کائنات کی ہر چیز کا حقیقی اور ابدی مالک کون ہے؟) وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو معلوم ہے تو بتاؤ وہ کون ہے؟ (اس کے جواب میں) وہ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہی کی ذات ہے۔ اے نبی ﷺ ان سے کہیے پھر تمھاری مت کیوں ماری گئی ہے (کہ اس کی توحید خالص کا اقرار نہیں کرتے)''۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین کا بھی عقیدہ یہی تھا کہ ساری کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے لیکن اس کے باوجود وہ دوسرے بتوں کو اللہ کا شریک کرتے ہیں۔ شریک کیوں کرتے ہیں؟ اس بارے میں وہ کہتے ہیں:

مانعبدهم الا ليقربونا إلى الله زلفى (زمر:۲۱)

''ہم جو پرستش کرتے ہیں ان بتوں کی (لات، عزیٰ، منات وغیرہ کی) وہ صرف اس لیے کہ یہ (بت) اپنی سفارش کے ذریعے ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے''۔

اس سے پتہ چلا کہ کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ بت خود کچھ نہیں کرتے لیکن اللہ کے یہاں ہماری سفارش کر دیں گے، آج ہندو بھی یہی کہتے ہیں اور یہی بات قبر پرست بھی کہتے ہیں کہ ہم انھیں خدا نہیں مانتے بلکہ یہ تو ہمیں اللہ سے قریب کر دیتے ہیں، ہم تو محض ان کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔ یہ غلط بات اور نفس کا فریب ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا:

أليس الله بكاف عبده (الزمر:۳۶)

''کیا اللہ اکیلا کافی نہیں اپنے بندے کے لیے (یعنی کیا اللہ کو بھی دنیاوی حکمرانوں کی طرح سمجھ رکھا ہے)''۔

سعودی عرب میں اٹھارھویں صدی میں لوگ جہالت کی وجہ سے بعض درختوں اور قبروں سے جو ان کی نظر میں متبرک تھیں اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ اس وقت علاقہ نجد کے شہر عنیزہ میں محمد بن عبد الوہاب کو اللہ نے پیدا کیا جنھوں نے مدینہ منورہ اور عراق میں اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد توحید کی دعوت دی، اس سلسلے میں انھوں نے کافی مشکلات کا سامنا کیا،

مخالفتیں اور اذیتیں برداشت کیں، لیکن وہ توحید کے اپنے مشن پر ڈٹے رہے اور بالآخر کامیاب ہوئے چنانچہ اب سعودی عرب میں مشرکانہ کام یعنی قبر پرستی وغیرہ کا نام تک نہیں۔

اس بارے میں سورۂ زمر کی ابتدائی تین آیات بہت ہی واضح اور اہم ہیں جن کا ترجمہ ہے:

''اللہ کی طرف سے یہ کتاب نازل ہوئی ہے کہ جو بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے، ہم نے یہ کتاب برحق اتاری ہے، تو اے نبی ﷺ اللہ کی بندگی کرو اپنی بندگی کو اللہ کے لیے خالص کر کے (یعنی صرف عبادت کافی نہیں بلکہ یہ خالص اللہ کے لیے ہونا چاہئے) یاد رہے کہ بندگی صرف اللہ کے لیے ہے۔'' یعنی اللہ کے سوا زندہ یا مردہ ولی، بزرگ، پیر وغیرہ سے مرادیں مانگنا اور حاجت روائی کی امید رکھنا کسی طرح جائز نہیں، یہ بات سورۂ فاتحہ کی آیت ایاك نستعين (تجھ ہی سے ہم مدد مانگتے ہیں) کے خلاف ہے جسے ہم شب و روز دسیوں مرتبہ نماز میں پڑھتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں ایک تو جاہل عوام ہیں جنھیں توحید کا صحیح شعور نہیں۔ دوسری طرف وہ پیر ہیں جو سادہ لوح عوام کو دھوکا دے کر لاکھوں کروڑوں کماتے ہیں۔

ان ابتدائی آیات کے بعد پھر اسی سورۂ زمر کی آیات ۱۱ تا ۱۴ میں دوبارہ توحید خالص کی تائید میں کہا گیا:

''اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں، خالص اسی کے آگے سر جھکاتے ہوئے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں پہلا مسلمان بنوں''۔

اسی طرح سورۂ بینہ میں فرمایا گیا:

وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين حنفآء ويقيموا الصلوٰة ويؤتوا الزكوة وذلك دين القيمة (بینہ:۵)

''اور ان کو یہی حکم دیا گیا تھا مگر یہ کہ صرف اللہ کی بندگی کریں، خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر اور نماز کو قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں اور یہی اصلی اور پکا دین ہے''۔

ان آیات کی روشنی میں اگر آج ہم اپنے معاشرے کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ بہت سے مشرکانہ افعال معاشرے میں ہو رہے ہیں۔ شرک صرف اسی کا نام نہیں کہ انسان کسی بت یا کسی غیر اللہ کے آگے جھکے بلکہ یہ بھی شرک ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی سے امید رکھی جائے کہ وہ ہمیں اولاد دے گا، ہماری بگڑی بنائے گا۔

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کا بہت پیارا مکالمہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل دین کیا تھا اور عیسائیوں نے اسے بگاڑ کر کیا کر دیا، سورہ المائدہ کی آیات ۱۱۶۔۱۱۷ کے مطابق اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا:

''اے نبی ﷺ وہ وقت یاد کیجیے جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم سے فرمائے گا: کیا تم نے یہ بات کہی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ عیسیٰ کہیں گے: تیری ذات پاک ہے، مجھے اس کا اختیار نہ تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں ہے۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو اے اللہ تو تو جانتا۔ تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے لیکن میں وہ نہیں جانتا جو تیرے دل میں ہے۔ بے شک تو غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے صرف وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یعنی عبادت کرو اللہ کی جو میرا پروردگار ہے اور تمھارا بھی پروردگار ہے اور جب تک میں زندہ تھا اے پروردگار میں ان پر گواہ تھا (حضرت عیسیٰ کی زندگی میں تثلیث کا کہیں وجود نہیں تھا) جب تو نے مجھے اٹھا لیا اس کے بعد اے اللہ تو ان کا نگراں تھا اور تیری تو وہ ذات ہے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے''۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ فرمائیں گے

إن تعذبهم فانهم عبادك وإن تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم (المائدہ:۱۱۸)

''اے پروردگار اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو تو ان پر غالب ہے''۔

عیسائیوں کی طرح یہودی بھی پہلے موحد تھے آج بھی کسی حد تک ان کے ہاں توحید ہے لیکن ان میں ایک گروہ ایسا بھی رہا ہے جو حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا مانتا ہے۔

قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں فرمایا گیا:

وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله ذلك قولهم بأفواههم يضهئون قول الذين كفروا من قبل قتلهم الله أنى يؤفكون (توبہ)

''یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ سب ان کے منہ کی باتیں ہیں (اور) یہ ان کی نقل کر رہے ہیں جو ان سے پہلے مبتلائے کفر ہوئے، اللہ ان کو غارت کرے، کہاں اوندھے ہوئے جا رہے ہیں''۔

سورۂ نمل کی آیات نمبر ۶۰ تا ۶۵ میں فرمایا گیا:

''کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمان سے تمھارے لیے پانی برسایا، پھر اس سے ہم نے تمھارے لیے رونق والے باغات اور چمن اگائے، ایسے باغات اور چمن کہ تمھارے لیے ممکن نہ تھا کہ انھیں اگا سکو۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی خدا ہے؟ بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو سیدھے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ کون ہے وہ جس نے زمین کو بنایا قرار کی جگہ اور اس کے اندر

بقیہ: صفحہ ۲۵ پر

تعلیم الحدیث

زبان کی نگہداشت

مولانا سید بلال حسنی ندوی

اعضاء انسانی میں زبان کی اہمیت سے کون انکار کرسکتا ہے، یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے، دل ودماغ کی ترجمان ہے، انسان اس کے ذریعہ سے اپنے جذبات کا اظہار کرسکتا ہے، اپنی فکر پیش کرسکتا ہے، اور دوسروں کو اپنے خیالات و احساسات میں شریک کرسکتا ہے۔

کچھ لوگ ہلکے پیٹ کے ہوتے ہیں، ان کے دماغ میں جو بات بھی آئی ہے اس کو زبان پر لے آتے ہیں اور اس طرح گویا اس پر مہر تصدیق ثبت کردیتے ہیں، کسی سے کوئی تکلیف پہونچی تو رأیا بھلا کہہ دیا، کسی کے بارے میں کچھ سنا فوراً تبصرہ کردیا۔ لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جو دانشمند طبقہ سے تعلق رکھتی ہے، یہ لوگ سوچ بچار والے ہوتے ہیں، تول تول کر بولتے ہیں، اور سوچ سمجھ کر زبان کھولتے ہیں، ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے، ارشاد فرمایا:

إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله لا يلقى لها بالاً يرفعه الله بها درجات، وإن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقى لها بالا يهوى بها فى جهنم (رواہ البخاری واحمد)

"بندہ کبھی اللہ کی خوشنودی کی ایسی بات زبان سے نکالتا ہے کہ اس کو زیادہ دھیان بھی نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کے درجات بلند فرما دیتے ہیں، اور کبھی اللہ کی ناراضگی کی ایسی بات کہتا ہے کہ اس کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا، اس کو اس کی وجہ سے جہنم کے گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے"۔

یہ حدیث ہمیں دعوت فکر دیتی ہے، امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ انسان کو زبان کے استعمال سے پہلے بڑے غور وفکر کی ضرورت ہے، انسان اس سلسلہ میں اپنے نفس سے دھوکہ کھاتا ہے، انسان غیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور اس پر احقاقِ حق کا پردہ ڈال دیتا ہے، سنی سنائی باتیں زبان سے نکالتا ہے اور بہتان کا مرتکب ہوتا ہے، کسی پر بے جا تبصرہ کردیتا ہے اور بدگمانی کرنے والا شمار ہوتا ہے، اس کو خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ کہاں پہونچ گیا اس نے اپنے لیے ہلاکت کا کیسا سامان کرلیا۔

کہتے ہیں کہ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے لیکن زبان کا وار بڑا کاری ہوتا ہے، وہ آسانی سے مندمل نہیں ہوتا، کسی کا دل دکھانا، اس کو تکلیف پہونچانا، اسلام میں بدترین گناہ ہے، اور زبان سے جو تکلیف پہونچتی ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں پہونچتی، عام طور پر اس کو ہلکا سمجھا جاتا ہے اور توجہ نہیں کی جاتی۔

گفتگو کے دوران نرم لہجہ اختیار کرنے کی بھی ہم کو تلقین کی گئی ہے تاکہ مخاطب کو دلجمعی حاصل ہوسکے اور وہ خوش ہو اور اسلام میں کسی کو خوش کرنا بڑی نیکیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

زبان کی نگہداشت کی اچھی شکل یہ ہے کہ آدمی بقدر ضرورت اس کا استعمال کرے، بسیار کلامی اور بے ضرورت بولنے سے آدمی نقصان اٹھاجاتا ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔

غیبت، بدگوئی، بہتان طرازی، گالی گلوچ فحش گوئی چغلخوری زبان کے بڑے گناہ شمار کیے جاتے ہیں، لیکن آج عام طور پر ہم اس میں مبتلا ہوجاتے ہیں اس کی بڑی وجہ بے فکری اور بسیار کلامی ہے، بغیر سوچے سمجھے جب زبان کا استعمال کیا جائے گا تو اس سے بڑے بگاڑ کا اندیشہ ہے۔

معاشرہ کی پستی اور اس کے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ بدزبانی ہے، بعض مرتبہ آدمی زبان سے ایک غلطی کرتا ہے تو اس کو عملی اعتبار سے دس غلطیاں کرنی پڑتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ "یا ایها الذین امنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا يصلح لكم اعمالكم و يغفرلكم ذنوبكم" "اے ایمان والوں زبان سے سچی تلی بات نکالو، اللہ تعالیٰ (اس کے عوض) تمہارے اعمال کو درست فرمادے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کی طرف خاص توجہ دلائی ہے ایک حدیث میں فرمایا" اتقوا الفم والفرج "منھ اور شرم گاہ کا خاص خیال رکھو، کہ اس کا استعمال غلط نہ ہونے پائے، قربان جایئے اس مبارک فرمان پر آج پوری دنیا کے بگاڑ کا محور یہی دو چیزیں ہیں، زبان کا آزادانہ استعمال اور جنسی بے راہ روی اور فحاشی۔

مسلمانوں کی دہری ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کے منتخب و پسندیدہ دین کے علمبردار اور آخری نبی کی امت ہیں، ان کو یہ کام کرنا ہے، زبان کے بے جا اور بے ضرورت استعمال اور اخلاقی انارکی کے نتیجہ میں جو برائیوں کو ایک سیلاب بلاخیز امڈ رہا ہے اس پر اخلاقی بلندی اور زبان کے صحیح استعمال کا پشتہ قائم کرنا ہے تاکہ انسانیت کو ڈوبنے سے بچایا جاسکے، اور یہ کام صرف اور صرف وہی امت کرسکتی ہے، جس کو "خیر امت" کا لقب ملا، اور جس کے ہاتھ میں نبوت کا پیغام اور اس کی روشنی ہے۔

ایک اور مطالعہ

نقوش سیرت

مصنفہ: مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب

پروفیسر وصی احمد صدیقی صاحب

جناب مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی نئی کتاب "نقوشِ سیرت" میرے پیش نظر ہے، یہ ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے ہیں اور اب کتابی شکل میں سامنے آئے ہیں، اپنے احساسات کو لکھتے ہوئے میں اس بات کی کوشش کررہا ہوں کہ مولانا کی دارالعلوم کی نظامت، پرسنل لاء بورڈ کی صدارت اور دوسرے باوقار عہدے میرے ذہن میں نہ آئیں تاکہ مصنف کی عظمت سے متاثر ہوکر غیر شعوری طور پر کوئی ایسی مبالغہ آمیز بات نہ لکھ جاؤں جو میرے لئے بدمذاقی کی بات ہو اور جناب مولانا کے لئے گرانی کی۔

کتاب کے لائق مقدمہ نگار نے اپنے مقدمہ کو "نگاہ اولیں" کا نام دیا ہے اور دو شعر کتاب کے نام کی مناسبت سے لکھے ہیں، ایک فنا نظامی کانپوری کا اور دوسرا ماہر القادری کا، یہ دونوں شعر میرے لئے نئے ہیں اور یقیناً اچھے ہیں مگر پرتو انھیں دو اشعار کے ہیں جو مدت سے زبان زد خاص وعام ہیں اور وقت کے گزرنے سے ان کی تازگی اور والہانہ پن میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، میں انھیں لکھ رہا ہوں۔ اردو کا شعر

منزل ملی مراد ملی مدعا ملا
سب کچھ مجھے ملا جو ترا نقشِ پا ملا

اور فارسی کا شعر

بہ زمینے کہ نشانِ کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد شد

یہ دونوں شعر اپنے معنوی حسن اور نغمگی سے آج بھی صاحب دل حضرات کو وجد میں مبتلا کردیتے ہیں مگر اس کتاب کے مضامین تصوف اور ماورائیت سے کم تعلق رکھتے ہیں اور زندگی کی حقیقتوں سے سرکار دو عالم نے کس طرح معاملہ کیا اور کرنے کے لئے فرمایا صرف ان کو بیان کرتے ہیں۔ تصوف نہ سہی مگر روحانیت سے پر ہیں، حضور ﷺ کی معاشرتی زندگی کا بیان ہے، اس مبارک زندگی میں کیسا اعتدال اور توازن رہا، انسانیت نوازی اور ساری مخلوق کے لئے نعمت ورحمت ہونے کا ذکر ہے جس کے لئے اللہ نے ان کو رحمۃ للعالمین فرمایا۔ پھر مولانا نے اپنے سرکارؐ کے امتیوں کو بتایا کہ دیکھو محبت رسول کے تقاضے کیا کیا ہیں، صفات رسول ہر مسلمان کے لئے قابل اتباع نمونہ ہیں۔ حضور ﷺ سے انتہائی تعلق اور کامل پیروی میں ہی تکمیل ایمان ہوتی ہے اور یہی تعلق اور پیروی حضور ﷺ کے ذاتِ مبارک سے گہری محبت پیدا کرتی ہے۔

یہ مضامین اپنی افادیت اور ندرت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہیں۔ پوری کتاب سادہ عبارت میں ہے اور جو انداز بیان ہے وہ دل میں اکدم گھر کرتا ہے۔ ذکر کس کا ہے۔ اپنے نبی کا جو خاتم بھی تھے اور خاتم بھی اور ذکر کرنے والا وہ امتی جو ان کی محبت میں سرشار ہے اور اپنے سارے علم کو حضور ﷺ کے پائے مبارک پر رکھ رہا ہے، وہ علم جو بے پناہ مطالعہ سے پیدا ہوا ہے، ایسا علم جو صرف علمِ کتابی نہیں بلکہ علم نافع ہے۔ کیا عرض کروں "بنتی نہیں ہے بات بادہ وساغر کہے بغیر" یہ مضامین خود مضمون نگار کے گدازی قلب کی آئینہ دار ہیں۔ پوری کتاب میں تعلیمات اور فرمودات کے موتی بکھرے ہوئے ہیں، کیسی سادگی سے ان کا بیان ہے۔ یہ گلشن ہست وعدم اللہ کا بنایا ہوا ہے، اس کے باغبان سرکار دو عالم ہیں، اور اس کے مصور ہمارے مولانا۔

یہ مضامین ان سے تعلق رکھتے ہیں جو امام انبیاء ہیں، سرور کون ومکان ہیں، جو امین اور صادق تھے، جنھوں نے انسان کو مساوات کا تحفہ دیا، جو حامل کتاب اور سراپا کتاب تھے، جو بے کسوں کے مربی تھے، بے سہاروں کے کفیل تھے، جن کو ہمیشہ ہماری بہتری کی فکر رہتی تھی، جن کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن دل نہیں، جن پر رازِ نہاں ہویدا تھا اور جو امی تھے لیکن جن کے لئے حافظ شیرازی نے کہا ہے۔

نگارمن کہ بہ مکتب نہ رفت وخط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرس شد

اور سعدی کا شعر ذہن میں آتا ہے

بیتیے کہ ناکردہ قرآں درست
کتبخانہ چند ملت بششت

کیسے صاحب دل شعراء تھے۔ حضور ﷺ کی مدح میں اپنا دل نکال کر رکھ دیتے تھے۔

مولانا کا دل بھی عشق کا جلوہ گاہ ہے، مولانا کی تحریر ایک طرح سے شعور حسن کا اعلان ہے۔ یہ تحریریں خالص واقعات اور حقیقتوں کا بیان ہیں مگر بین السطور میں شاعرانہ ادراک اور صوفیانہ ادراک دونوں ہیں، صناعی سے پرہیز نے جاذبیت پیدا کردی ہے۔ کیسا فطری، حسین، رفعت بخش اور دیانت دار بیاں ہے، دماغ اور دل ہم آہنگ ہیں، جذبہ اور فکر گلے مل رہے ہیں، سحر حلال سے ان کی مثال دی جاسکتی ہے، یہ طلسم خیالی نہیں، اس کی روح تو مولانا کے ہاتھ میں ہے۔

یہ باتیں جو مولانا نے لکھی ہیں پہلے بھی لوگوں کے علم میں رہی ہیں اور بیان بھی کی گئی ہیں

مگر ایسا حسن بیاں کہاں، یقیناً تحریر کی قدر و قیمت نفسِ مضمون سے ہوتی ہے مگر وہ صداقتیں جو مطلق اور بدیہی ہوں صرف حسنِ بیان ہی سے انسان کے قلب پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

آیئے اب کتاب کے مندرجات پر نگاہ ڈالی جائے۔

پہلا مضمون حضور ﷺ کی زندگی کے مختلف ادوار سے تعلق رکھتا ہے، نبوت کی ابتداء کافرکس طرح آپ کو اور مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے تھے، ایسی ایذا رسانی جو موت کا بھی باعث ہو جاتی تھی، کیسے آپ کے رفقاء نے ۱۳ برس تک کی مدت اسلامی دعوت اور ایمانی تربیت کے ساتھ صبر و برداشت میں گزریں۔ طائف کا سفر حضور ﷺ نے ہم دردی اور حمایت حاصل کرنے کے لئے کیا تھا مگر وہاں عام انسانی اخلاق بھی نہیں ملا بلکہ سخت اذیت پہنچائی گئی، آپ نے عبدیت کے اعلیٰ معیار کو ترجیح دی، دعا میں اپنی بے بسی اور ناطاقتی کا اظہار کیا لیکن سزا پر راضی نہیں ہوئے۔ پھر مدینہ منورہ کی ہجرت کا بیان ہے، دشمن اجتماعی طاقت سے حملہ آور ہوتے اور آپ مقابلہ کرتے، یہودی اور منافقین اندرونی طور پر دشمنی کرتے، ان کو بھی جھیلتے پھر بدر کا معرکہ ہوا، غرض ان باتوں کا بیان جن میں حضرت ﷺ مشقتوں سے گزارے گئے، شخصی سانحوں سے بھی گزارے گئے، راحت اور مسرت سے بھی گزارے گئے، حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ ساری انسانی برادری کے لئے ایک مثال بنی، کیا اعلیٰ صبر و رضا اور وسیع القلبی کا نمونہ حضور ﷺ نے پیش کیا۔

پھر ماہ سعادت یعنی ربیع الاول کا بیان آیا، مولانا نے کلام پاک کی آیت لکھی جس میں عربوں سے خطاب ہے کہ تم ہی میں نبی آیا ہے اور تم ہی میں کا ایک فرد ہے، اس کو تمھارے دکھ درد کی بے حد فکر اور احساس ہے، وہ تمھارا بے حد خیال کرنے والا ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے بے حد شفیق اور رحم دل ہے۔ پھر دوسری آیت میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کو ہم نے تمام جہانوں کے لئے رحم و کرم بنا کر بھیجا ہے۔ یہ چھوٹا سا مضمون اپنی مثالوں کے لحاظ سے منفرد ہے اور ان آیتوں کی تفسیر ہے جن کا ترجمہ ابھی لکھا گیا ہے، آگے کا مضمون بھی اسی تسلسل میں ہے، ربیع الاول کا اصل پیغام خدائے واحد کی بندگی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور محبت ہے، مولانا نے خاص ہجرت کو بطور واقعہ بیان کرنے کے ساتھ بہترین نتائج نکالے ہیں، ہجرت کا عمل بڑا عظیم عمل ہے، یہ وہ عمل ہے جس کا درجہ جہاد کے علاوہ ہر عمل سے بڑھ جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی معاشرتی زندگی پر مضمون کتاب کی جان ہے، یہ مضمون نسبتاً طویل ہے اور بے حد اثر ڈالنے والا ہے، آپ نے ساری راحت و آرام کے حاصل ہونے کے باوجود غریب اور سادہ طرز زندگی اختیار کی۔

رفقاء کے لیے ایک نہایت ہمدرد اور انس و محبت رکھنے والے سرپرست تھے، بچوں اور بوڑھوں کا بے حد خیال رکھنے والے، اس خیال رکھنے میں ان کی مزید دلجوئی کے لیے ہلکا سے مزاح بھی کبھی کبھی کر لیتے تھے جیسے ابوعمیر کی چڑیا کی پرسش، بوڑھی عورت سے بتانا کہ بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے اور پھر اس کی وضاحت۔

حضور ﷺ نے اپنی جوانی کے بہترین حصہ کو ایک ایسی بیوی کے ساتھ گزارا جو ان سے عمر میں بڑی تھیں، انتقال کے بعد ہمیشہ محبت سے یاد کیا۔ آپ نے ازواجِ مطہرات میں اپنے معزز خاندان کی اور دیگر خاندانوں کی خواتین کو شامل کیا، نومسلم خاتون، باندی بن کر آنے والی خاتون کو آزاد کر کے رشتہ زوجیت میں لیا، یہ شادیاں تعلق والوں کی دلداری کے لئے تھیں، غلط رواج کو باطل کرنے کے لئے بھی تھیں، سب کے ساتھ انصاف اور برابری کا برتاؤ کیا اور اپنی پسند کو ترجیح نہیں بنایا۔ بچوں کو پیار کرتے تھے۔ کبھی اپنی ذات کے لئے کسی پر غصہ نہیں کرتے تھے۔ صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ انتہائی چہیتی تھیں مگر ان کے لیے مال و دولت کیا ایک خادمہ کا بھی انتظام نہیں کیا۔ غرض پورا مضمون ایک ایسے نبی کے ذکر پر ہے جو رحمت ہی رحمت تھا۔

حضور ﷺ زندگی میں اعتدال اور توازن کو بہت عزیز رکھتے تھے، بطور نصیحت خود اپنی ذاتِ مبارک کے لئے فرمایا میں تم میں سب سے زیادہ متقی اور اللہ سے ڈرنے والا ہوں، رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزے رکھتا ہوں اور روزے سے خالی دن بھی چھوڑتا ہوں، شادی بھی کرتا ہوں، جو میرے طریقہ پر نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

یہ تو حضور ﷺ نے اپنے امتیوں کو تعلیم دی مگر آپ عبادت گزار اور شب زندہ دار ایسے تھے کہ پیروں میں ورم آجاتا، روزے اتنے رکھتے کہ شعبان کا مہینہ بھی اکثر و بیشتر روزوں میں گزر جاتا۔ مولانا نے حضرت ابوہریرہ کا بیان کیا ہوا دودھ کا واقعہ لکھا کہ کیسے تھوڑے سے دودھ نے بہت سے لوگوں کا پیٹ بھرا۔ یہ تو خیر ایک معجزاتی کیفیت تھی مگر یہ واقعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کی کتنی کمی تھی اور حضور کا اخلاق کہ دوسروں کے بھوک کو اپنی بھوک پر ترجیح دی۔ آپ نے اعلان فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان اگر انتقال کر جائے تو اس کا چھوڑا ہوا مال اس کے ورثاء کا اور جو قرض وہ چھوڑ گیا اس کی ادائیگی میرے ذمہ۔

حضور ﷺ نے ساری انسانیت کو یہ پیام دیا کہ اپنی دنیاوی ضرورت کو اللہ کے حکم کے مطابق اور رضائے الٰہی کی نیت سے پورا کیا جائے تو ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسے کسی مذہبی عمل پر ملتا ہے۔

مصنف کتاب کا سب سے پسندیدہ موضوع یہ ہے کہ حضور کا پیغام ساری انسانیت کے

لئے نعمت و رحمت ہے۔ محبت رسول کا دعویٰ کرنے والے تو سب ہی مسلمان ہیں اور واقعی ان کا دعویٰ صحیح ہے مگر محبت رسول کے تقاضے کیا ہیں، وہ جو کام احکام اور شریعت لائے اس کا ماننا اور اس کے حکموں پر چلنا، اسلام نے حق کا راستہ یہی متعین کیا ہے۔ اللہ نے اپنے رسول کے لئے فرمایا کہ تمھارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے اور یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور آخرت کے دن کی جواب دہی کا خیال رکھتا ہو اور اس نے اللہ کو یاد کیا ہو۔ خود حضور نے فرمایا کہ تمھارا ایمان اس وقت تک درست نہیں جب تک تم مجھ کو اس سے زیادہ محبوب نہ بناؤ جتنا تم کو اپنے باپ اپنی اولاد اور دنیا کے سب محبوب لوگ ہو سکتے ہیں۔

کیسا ہی سخت امتحان ہو طاعت اور محبت میں فرق نہیں آتا تھا، اس ضمن میں حضرت کعب بن مالک کا واقعہ بڑا عبرت آموز ہے۔

مضامین کا یہ سلسلہ جاری اور ساری ہے۔ اب موضوعات میں صفاتِ نبوی ہر مسلمان کے لئے قابل اتباع نمونہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے انتہائی تعلق اور ان کا اتباعِ کامل، امت کی رہنمائی اور لوگوں کے ساتھ سلوک میں ذوق و مزاج کی رعایت اور کلام میں ادبی حسن کا لحاظ، نبی اکرم ﷺ کا طریقہ دعوت و تبلیغ اور عصری تحریکات، سیرت نبویؐ میں دعوت اور سیاست کا امتزاج اور اس میں ہمارے لئے رہنمائی، عہد حاضر میں تعلیماتِ نبویؐ کی ضرورت، معاشرہ کی اصلاح میں حدیث و سنت سے رہنمائی، سیرت اور اخلاق کی تعمیر میں حدیث کا کردار، سیرت نبوی اور ادب، کلام رسول ادبی بلاغت کا شاہکار، مولانا نے بہترین نکات پیش کئے ہیں۔

میرا یہ مضمون عام ڈگر سے ہٹا ہوا ہے۔ اپنی عرف سے باتیں کم کہی ہیں اور کتاب کے اقتباسات زیادہ لیے ہیں مگر یہ "زیادہ" بھی ایسا ہے جیسے غلہ کے ڈھیر سے ایک مٹھی غلہ نکالیا۔ مگر یہ ایک مٹھی غلہ پورے ڈھیر کی کوالٹی (Quality) کو بتا دیتا ہے، کتاب کا وصف تو کتاب پڑھنے میں ہے جیسے مٹھائی کے ذائقہ کا لطف اس کے کھانے میں ہے بتانے میں نہیں، یہ کتاب تو پورے طور پر ذکر حبیب میں ہے، یقیناً میں کتاب کا حق ادا نہیں کر سکا ہوں مگر یہ دامانِ نگہ کی تنگی ہے ورنہ خوبصورتی کے یہ پھول تو بے شمار ہیں۔ اب آخری مضمون کا ذکر آتا ہے وہ حمد و مناجات کی ادبیت، مولانا نے سرکارِ دو عالم کی دعاؤں اور مناجاتوں کے نمونے پیش کئے ہیں۔ اس کا تفصیلی بیان تو مضمون کو بہت طویل کر دیگا مگر یہ مضمون اس گلدستہ کا سب سے خوبصورت پھول ہے۔

پوری کتاب حضور کی اعلیٰ اور پاکیزہ زندگی، رواداری، برداشت، ثابت قدمی، بہادری اور رقیق القلبی کے ذکر سے مملو ہے۔ اسوہ حسنی کی بہترین وضاحت ہے۔

حضور ﷺ کے گدازیِ قلب اور رقت مزاج کی بے شمار مثالوں میں چند مولانا نے بیان کی ہے جو دل کو چھو لیتی ہیں۔ اپنے چھوٹے نواسے کو جو جانکنی کے عالم میں تھا اپنے گود میں لیتے ہیں اور آنکھ میں آنسو بھر آتے ہیں۔ ایک صحابی نے کہا کہ آپ بھی ایسے متاثر ہوتے ہیں۔ فرمایا میں انسان ہوں۔ میرے دل میں بھی محبت ہے اور اتنا بھی نہ ہو تو وہ انسان کیا۔ اسی طرح جب آپ کے اکلوتے بیٹے کا انتقال ہوا تو فرمایا میری آنکھیں نم ہو رہی ہیں۔ دل غمزدہ ہے لیکن میں اپنے زبان سے صرف وہ کہونگا جس سے میرا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم تمھاری جدائی پر ہم غمزدہ ہیں۔

مولانا کے مضامین کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہے بلکہ زیادہ خوبصورت مثال یہ ہوگی کہ موتیوں کی لڑی ہے۔ سب الگ الگ ہیں مگر ایک ربط باہمی سے بندھے ہوئے ہیں۔ مولانا اپنے محبوب موضوع کو دہراتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ سے محبت تکمیل ایمان کے لئے لازمی ہے۔ یہ ایک طرح سے احسان شناسی اور شکر گزاری بھی ہے جو اعلیٰ ترین انسانی جذبے ہیں۔ اللہ نے وہ رسول ہمارے پاس بھیجا جس کو ہماری تکلیف اور پریشانی گوارا نہیں۔ وہ ہمارا بہت دھیان رکھنے والا ہے۔

اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے میں اس آیت کا ترجمہ لکھ رہا ہوں جو دین کی تکمیل کا اعلان ہے۔ "آج یعنی اب میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو تمھارے لئے بحیثیت دین پسند کیا"۔

یہ لکھنا بے محل نہ ہوگا کہ اس کتاب کے مضامین مسلسل طور پر جاذب توجہ ہیں۔ ایک حصہ سے جو لطف ملتا ہے وہ مجموعی طور پر ملتا ہے۔ مصنف کا نام اگر کتاب پر نہ لکھا ہوتا تو بھی مخصوص لب و لہجہ، عبارت کا انداز تاثیر اور آہنگ سے اچھے مطالعہ والے فوراً پہچان لیتے کہ نغمہ سرا کون ہے اور اس نے یہ نغمے کس لئے گائے ہیں۔ مصنف کی روح میں ہمہ گیری اور وسعت ہے اور وہ عام آدمی سے زیادہ انسانی فطرت کا علم رکھتے ہیں۔ کیسی باکمال اور معتبر شخصیت لکھنے والے کی ہے۔ یقیناً انھوں نے جو شہرت پائی ہے وہ اس کے پورے طور پر مستحق ہیں۔ وہ حضرت مولانا علی میاںؒ کی یادگار ہیں اور جو قدر و قیمت حضرت مولانا کی اپنی زندگی میں ہوئی وہی مولانا محمد رابع ندوی کی بھی ہوئی ہے۔ یہ ایک بہت خوشگوار تعجب کی بات ہے ورنہ ہماری قوم کے افراد اپنی ساری عقیدت کا اظہار، علم و فضل کو خراج اپنے ممدوح کے نہ ہونے کے بعد ادا کرتے ہیں۔

مضمون کے اختتام پر اللہ تعالیٰ سے مولانا کی صحت و سلامتی اور درازیِ عمر کی دعا کرتا ہوں۔ خدا کرے یہ ابر گہر بار ایسا ہی برستا رہے اور علم کے موتی ہماری جھولی میں پڑتے رہیں۔

آراضی مسجد کی حیثیت

فتاویٰ اور علم وتحقیق کی روشنی میں

مولانا محمد رضوان القاسمی (حیدرآباد)

دنیا میں شرف وکرامت اور فضیلت و عظمت جن مقامات کو حاصل ہیں ان میں ''مساجد'' کا مرتبہ سب سے اونچا ہے اور وجہ صاف ظاہر ہے کہ مساجد کی نسبت سب سے اونچی ذات اللہ تبارک تعالیٰ سے ہے، اس اونچی نسبت نے شرعی احکام میں بھی مساجد کو بہت سے پہلوؤں سے امتیازی حیثیت عطا کی ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی جگہ مسجد بن گئی تو اس مسجد کا پورا حصہ یعنی تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک ہمیشہ کے لئے مسجد بن جاتا ہے، خدانخواستہ اگر کسی سماوی آفت یا کسی ارضی فتنہ وغیرہ کی وجہ سے مسجد ویران ہوجائے، کوئی نماز پڑھنے والا باقی نہ رہے یا ناقابل استعمال ہوجائے یا ظلماً یا جبراً اس پر قبضہ کرلیا جائے تو بھی یہ حصہ قیامت تک کے لئے مسجد ہی کے حکم میں رہے گا، نہ کوئی اسے فروخت کرسکتا ہے نہ کوئی وراثت میں لے سکتا ہے اور نہ وہ خود واقف رجوع کرسکتا ہے اور نہ ہی کوئی شخص اسے اپنے ذاتی تصرف یا کسی ایسے کام میں استعمال کرسکتا ہے جو مسجدیت (حیثیتِ مسجد) کے خلاف ہو، اس سلسلہ میں بنیادی طور پر فقہاء حضرت عمرؓ کی وہ مرفوع حدیث پیش کرتے ہیں جس کو صحاح ستہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے ''تصدق باصله لايباع ولا يوهب ولا يورث'' (بخاری جلد:۲، صفحہ ۳۸۹، مسلم جلد:۲، صفحہ ۴۱، ابوداؤد جلد :۲، صفحہ ۴۲، ترمذی جلد:۱، صفحہ ۱۷۷، اعلاء السنن حدیث نمبر ۱۷۴۵ جلد ۱۳ صفحہ ۲۱۴)۔

اس حدیث کی روشنی میں تقریباً تمام حضرات ائمہ فقہ نے یہ صراحت کی ہے کہ مسجد کی اراضی کو بیچنا، ہبہ کرنا، کرایہ پر دینا، اپنے لئے استعمال کرنا یا کسی طرح کا بھی کوئی تصرف کرنا درست نہیں ہے، خواہ وہ مسجد کی مصلحت کے لئے ہی کیوں نہ تصرف کیا جائے، اسی طرح وہ مسجد چاہے ویران ہی کیوں نہ ہوگئی ہو اور اس میں کوئی نماز پڑھنے والا نہ رہا ہو، چنانچہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

ولو خرب ما حوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام وابى يوسف ابداً إلى قيام الساعة وبه يفتى، أى ولو مع بقاء ه عامراً و كذا لو خرب و ليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخر، فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله و نقل ماله إلى مسجداً آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا، وهو الفتوى واكثر المشائخ عليه، هو الأوجه (شامی جلد:۶، صفحہ ۵۴۸، فتح القدیر جلد:۶، صفحہ ۲۱۵ تا ۲۲۰، البحر جلد:۵، صفحہ ۲۲۳، الفقہ الاسلامی وادلتہ جلد:۸، صفحہ ۲۱۹)۔

یہی رائے فقہائے شوافع کی بھی ہے، چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں'' فأما المسجد فإنه إذا انهدم وتعذرت اعادته فإنه لايباع بحال'' (شرح المہذب جلد:۵، صفحہ ۳۶۱) فقہ حنبلی کے مشہور ترین عالم، علامہ ابن قدامہؒ کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے ''إن المساجد لايباع وإنما تنقل الاتها'' (المغنی جلد:۵، صفحہ ۳۶۷) اور حنابلہ کے یہاں یہی قول راجح ہے۔

گویا یہ نقطۂ نظر ائمہ اربعہ اور جمہور کا ہے، یہ حضرات اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کرتے ہیں'' وماكان صلواتهم عند البيت إلا مكاء تصدية'' (الانفال:۳۵) (اور ان کے نماز خانہ کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا) زمانۂ فترت میں خانہ کعبہ کو عبادتِ خداوندی کی بجائے اصنام پرستی کا مرکز بنا لیا گیا تھا اور اس کو اپنی اصلی حالت سے پھیر دیا گیا تھا، پھر جب اسلام آیا تو اسی جگہ کو اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کا مرکز بنادیا گیا، آیت اور اس کے پس منظر سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد کے ویران ہوجانے سے اس مسجد سے مسجد کا حکم ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ علی حالہ مسجد باقی رہے گی۔

مذکورہ آیت وحدیث اور اقوال فقہاء سے اتنی بات واضح ہوگئی کہ اراضی مسجد قیامت تک کے لئے مسجد کے حکم میں رہتی ہے، لیکن یہ گوشہ توجہ طلب ہے کہ مسجد صرف عمارت اور بنیاد کو کہا جائے گا یا نیچے سے اوپر تک کی فضا بھی مسجد کے حکم میں ہے، درمختار میں ہے'' والمعتبر فى القبلة العرصة لا البناء فهى من الأرض السابعة إلى العرش'' (درمختار جلد:۲، صفحہ ۱۱۴)، لأن القبلة من الأرض السابعة إلى السماء السابعة بحذاء الكعبة إلى العرش (ہندیہ جلد:۱، صفحہ ۶۳)۔

دیگر مساجد کے بارے میں ہمارے علماء کی یہی رائے ہے، علامہ شامیؒ بحر الرائق کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ'' إن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوهٗ مسجداً ينقطع حق العبد منه لقوله تعالىٰ وإن المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً'' (شامی جلد:۳، صفحہ ۳۷۰، مطبوعہ نعمانیہ دیوبند)۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ مسجد کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں'' ولا يشترط للمسجدية البناء بل العرصة وحدها مسجد كما لا

يخفى، بخلاف سائر الوقوف التى سبلت ثمرتها فإنها إذا خربت وتعطلت منافعاً تبطل الجهة التى عينت له''
(اعلاء السنن جلد:۱۳، صفحہ ۲۱۴، مطبوعہ پاکستان)

منطقی اعتبار سے بھی اس رائے میں بہر طور وزن ہے کہ جب خانۂ کعبہ تحت الثریٰ سے آسمان تک مسجد ہے تو دنیا بھر کی مسجدیں جو خانۂ کعبہ کی نیابت کرنے والی ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے، اور جمہور علماء وفقہاء یہی لکھتے آرہے ہیں کہ کوئی مسجد جہاں بن جاتی ہے اس کا پورا حصہ زمین کے نیچے سے لے کر آسمان تک مسجد ہی کا حصہ بن جاتا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ تواتر کے ساتھ بیان کردہ اس رائے سے انحراف کیا جائے اور نظام شریعت میں قرآن وحدیث کے ساتھ فقہ کو اہمیت نہیں دی جائے۔

ہندوستان کے مشہور ومعروف اور ممتاز مفتی اور فقیہ مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے مختلف استفتاء کے جواب میں مضبوط دلائل کے ساتھ یہی تحریر فرمایا ہے کہ:

''جو زمین کہ ایک مرتبہ مسجد ہوگئی، وہ خاص خدا تعالیٰ کی ہوگئی، کسی شخص کو اس پر حقِ تصرفِ ملک باقی نہیں رہا (کتایت المفتی جلد: ہفتم، صفحہ ۳۵، مکتبہ امدادیہ ملتان)..... ''جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہوجائے وہ ابدالآباد تک کے لئے مسجد ہوگئی، اس زمین سے کوئی کام علاوہ مسجد کے لینا جائز نہیں اور نہ اس کا معاوضہ لے کر اس کو سڑک میں دینا جائز ہے، مسجد خواہ ویران ہو یا آباد دونوں حالتوں میں ایک ہی حکم رکھتی ہے، یہ کسی کو جائز نہیں کہ مسجد کا معاوضہ یا دوسری مسجد اس کے عوض لے کر مسجد کو سڑک میں دیدے، کیونکہ کسی قوم کسی شخص یا متولی کی ملک نہیں، مسجد خدا کی ملک ہے، مبادلہ یا معاوضہ کا کسی کو اختیار نہیں، جو ایسا کرے گا وہ شرعی احکام کے بموجب گنہگار ہوگا (ایضاً: صفحہ ۳۶)۔

حضرت مفتی صاحب ہی تحریر فرماتے ہیں:

''جو زمین کہ مسجد پر وقف ہے اس پر کسی دوسرے کے لئے عمارت بنانا حرام اور خصوصاً ایسی عمارت جس میں مسجد کے احترام کے خلاف کام کئے جائیں، عمارت کا ارادہ کرنے والے خاطی اور گناہگار ہیں، ان کو وقف اور واقف کی غرض کے خلاف کوئی کام کرنا جائز نہیں'' (ایضاً: صفحہ ۲۷)..... ''جو جگہ مسجد بنالی جائے تو تحت الثریٰ سے آسمان تک اتنی جگہ مسجد کے حکم میں ہوجاتی ہے، اب اس میں کوئی ایسا کام کرنا جو حرمت مسجد کے خلاف ہو مناسب نہیں'' (ایضاً: صفحہ ۲۰)۔

کہنہ مشق اور بزرگ مفتی مولانا سید عبدالرحیم لاجپوری تحریر فرماتے ہیں:

''جو جگہ ایک دفعہ مسجد کے حکم میں آجائے پھر اس کی عمارت رہے یا نہ رہے اس میں نماز پڑھی جاتی ہو یا نہ پڑھی جاتی ہو، وہ جگہ تاقیامت مسجد کے حکم میں رہے گی، اس کو بجز عبادت کے کسی اور کام میں استعمال کرنا درست نہیں، اس کے کسی حصہ کو بیچنا، کرایہ پر دینا، رہن رکھنا یا اس کے ورثاء کو واپس کردینا جائز نہیں'' (فتاویٰ رحیمیہ جلد:۶، صفحہ ۹۰، مطبوعہ گجرات)۔

حضرت مفتی صاحب کا یہ بھی فتویٰ ہے:

''جب سے مسجد بنائی گئی ہے، اسی وقت سے یہ جگہ قیامت تک مسجد رہے گی، وہ جگہ نیچے تحت الثریٰ تک اور اوپر آسمان تک مسجد کے حکم میں ہے'' (ایضاً: صفحہ ۱۲۴)۔

آج سے کم وبیش ڈیڑھ سال پہلے (۱۳ تا ۱۶ر اپریل ۲۰۰۱ء) ممتاز اور شہرت یافتہ علمی وفقہی ادارہ ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کا فقہی سیمینار جامعۃ الامام سید احمد شہید ملیح آباد کٹولی میں منعقد ہوا تھا، اس موقع پر ''بابری مسجد'' کے پس منظر میں جو ایک تجویز لائی گئی تھی اور جس پر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (سکریٹری جنرل اسلامک فقہ اکیڈمی)، حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب (امیر شریعت امارت شرعیہ و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی (مفتی دارالعلوم دیوبند)، کے علاوہ کثیر تعداد میں علماء اور اہل افتاء کے دستخط ہیں، اس تجویز کی یہ تحریر بہر طور بصیرت افروز اور چشم کشا ہے:-

''مساجد کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر بالکل واضح ہے اور اس پر جمہور امت کا اتفاق ہے کہ جس مقام پر ایک بار مسجد بنادی گئی، وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، اب نہ اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے نہ وہ خطۂ ارضی کسی اور کو ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی شخص یا حکومت اس کی حیثیت کو تبدیل کرسکتی ہے، مسجد دراصل وہ حصۂ زمین ہے جسے ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کردیا گیا ہو، مسجد صرف در ودیوار اور مسجد میں استعمال ہونے والے تعمیری سامان کا نام نہیں۔ اس لئے اگر مسجد کی عمارت منہدم ہوجائے یا اسے ظلماً منہدم کردیا جائے یا کسی وجہ سے طویل عرصہ تک وہاں نماز نہ پڑھی جائے تب بھی وہ مسجد باقی رہتی ہے، اور مسلمانوں پر اس کو دوبارہ آباد کرنا شرعاً واجب ہے''۔

مسجد کا مقصد کائنات کے حقیقی خالق و مالک کی عبادت اور غیر اللہ کی معبودیت کی نفی ہے، اس لئے مسجد کی زمین پر بت خانہ بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ مسجد کے مقصد کے عین برعکس بات ہوگی اور یہ نہ صرف مذہب و عقیدہ بلکہ تقاضائے عقل کے بھی خلاف ہوگا کہ کوئی چیز اپنے برعکس مقصد کے لئے استعمال کی جائے۔

اسلام دنیا میں عقیدۂ توحید کا نمائندہ مذہب ہے اور وہ پوری انسانیت کو اس سچائی کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور رب ایک ہی قادر مطلق ذات ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمیں عدل اور رواداری کی تعلیم بھی دیتا ہے، وہ مذہب کے معاملہ میں کسی جبر واکراہ کا قائل نہیں، اس نے

اس بات سے منع کیا ہے کہ کسی فرد یا قوم کی انفرادی یا قومی اور مذہبی زمین پر قبضہ کر کے اسے زبردستی مسجد بنالیا جائے، اور نہ صرف تاریخ بلکہ عقیدہ اور اسلامی تاریخ کی رو سے بھی یہ صریحاً غلط ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں کسی زمین یا کسی قوم کی عبادت گاہ پر قبضہ کر کے اسے مسجد بنایا ہو۔

لہٰذا اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سیمینار متفقہ طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بابری مسجد یا کسی اور مسجد کے بارے میں ایسی کوئی صلح شرعی اعتبار سے قطعاً جائز نہیں کہ جس کا مقصد مسجد کی حیثیت کو تبدیل کرنا یا نعوذ باللہ اسے بت خانہ بنانا ہو اور یہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور علماءِ امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔

> ''مساجد کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر بالکل واضح ہے اور اس پر جمہور امت کا اتفاق ہے کہ جس مقام پر ایک بار مسجد بنادی گئی، وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، اب نہ اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے نہ وہ خطۂ ارضی کسی اور کو ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی شخص یا حکومت اس کی حیثیت کو تبدیل کرسکتی ہے، مسجد دراصل وہ حصۂ زمین ہے جسے ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کردیا گیا ہو، مسجد صرف در ودیوار اور مسجد میں استعمال ہونے والے تعمیری سامان کا نام نہیں۔ اس لئے اگر مسجد کی عمارت منہدم ہوجائے یا اسے ظلماً منہدم کردیا جائے یا کسی وجہ سے طویل عرصہ تک وہاں نماز نہ پڑھی جائے تب بھی وہ مسجد باقی رہتی ہے، اور مسلمانوں پر اس کو دوبارہ آباد کرنا شرعاً واجب ہے''۔

سمجد کی آراضی سے متعلق علماء فقہاء اور اہل افتاء کی یہ آراء ہیں، ظاہر ہے انھوں نے یہ رائیں اپنے علم وتحقیق اور فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کو بنیاد بنا کر دی ہیں، اس لئے ان کی ان آراء اور فتاویٰ کا احترام کرنا چاہئے اور ایسی کوئی بات نہیں کہنی چاہئے جو جمہور علماء کی کسی رائے اور فتویٰ کے خلاف ہو، اس سے فتنہ کے دروازے کھل سکتے ہیں، اور جو شخص مقام افتاء اور اجتہاد پر فائز نہیں ہے وہ من چاہے انداز میں جس مسئلہ پر چاہے اپنی رائے ظاہر کرتا رہے۔ اور معاشرہ اور سوسائٹی میں دین وشریعت کا جو تقدس ہے، اس کا تصور دھندلا کیا جائے یا اسے مٹا دیا جائے، یہ ایک نہایت خطرناک رجحان ہے، جس پر عام علماء اور عوام دونوں کو حد درجہ محتاط رویہ اختیار کرنا چاہئے، اور اپنی کسی تقریر، تحریر اور بیان سے ایسا رخ نہیں دینا چاہئے کہ جس سے جھلکتا ہی نہیں، چھلکتا ہو کہ اس موضوع کا ناقص مطالعہ کیا گیا ہے، اور ناقص مطالعہ سے جو نتیجہ نکالا جائے گا وہ بھی ناقص ہی ہوگا، جس پر کسی طرح سے اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، آج ایک بڑا المیہ اور سانحہ یہ بھی ہے کہ جو شخص جس میدان کا ''ماہر'' نہیں ہے وہ بھی اس میدان میں بولنے اور لکھنے لگا ہے۔ اور ''نیم حکیم اور نیم ملا'' کے بارے میں جو کہا جاتا ہے کہ ایک خطرۂ جان اور دوسرا خطرۂ ایمان ہے، یہ محاورہ صادق آجاتا ہے، اسی لئے دوسرا محاورہ بھی ہے کہ ''پہلے تولو پھر بولو''۔

جو لوگ مساجد کے تقدس سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں اور مساجد کا دوسری اقوام و ملل کی عبادت گاہوں سے تقابل کرتے ہیں، انھیں اسلام میں مساجد کا جو نظام اور ان کی شرعی حیثیت ہے اس کا از سر نو مطالعہ کرنا چاہئے، کوئی وجہ نہیں کہ ان کا یہ مطالعہ انھیں حقائق سے باخبر کرے گا، اور اپنے زاویۂ نظر پر دوبارہ غور وفکر کی دعوت دے گا۔

آخر میں یہ بھی واضح رہے کہ کسی حساس اور نازک مسئلہ میں کتابوں کے کچے پکے حوالے اور سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے لکھنے کا رجحان بھی معاشرہ میں زہر گھول رہا ہے، اور اس سے فتنے پیدا ہورہے ہیں، اسی لئے علامہ اقبالؒ نے بہت پہلے یہ عام اصول بیان کیا تھا:

زندگی کی رہ میں چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل
یہ سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے

اقبال ہی کا یہ فکر انگیز اور معنی خیز تجزیہ بھی ہے:

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل سے ہوتی ہے نظر پیدا

اور بلاشبہ آراضی مسجد کے بارے میں ایسے اہل نظر کی نظر پر ہی ہر صاحب نظر کو اعتماد ہونا چاہئے جس کی تفصیلات اوپر آچکی ہیں، یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور ان ممالک کے آئین اور دستور کے مطابق شرعی دائرہ میں رہتے ہوئے زندگی گذار رہے ہیں، اس پس منظر میں علماء اور اہل افتاء کسی مسئلہ میں مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہوں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس علمی اور افتائی ''قیادت'' پر بھروسہ کریں تاکہ ان کی اجتماعیت باقی رہے اور کہیں سے ملی انتشار اور باہمی خلفشار کی بو نہ آنے پائے۔ اقبال نے کس قدر حکیمانہ بات کہی ہے۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

✿✿✿

عالم اسلام

صدام حسین کی شکست

پس منظر

گذشتہ سے پیوستہ

اسباب ومحرکات

نذر الحفیظ ندوی

دستور سازی کے بعد تینوں ملکوں (مصر شام اور عراق) میں تنفیذ کی جو صورتیں اختیار کی گئیں وہ اس طرح تھیں۔

۱۔ فوجی حکومتوں نے پارٹی بازی کی سیاست کے خلاف زبردست عوامی پروپیگنڈہ کیا اور ان سیاسی پارٹیوں کے وجود ہی کو ملک میں سارے فساد اور خرابیوں کی جڑ قرار دے کر انھیں ممنوع قرار دیا گیا۔

۲۔ عوامی تنظیموں اور دینی تحریکوں کے ساتھ سیاسی اور صحافتی سطح پر معرکہ آرائی کی گئی اور ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کر کے عوام میں ان کی ساکھ کو گرانے کی کوشش کی گئی، رفتہ رفتہ ان دینی تحریکوں اور تنظیموں کے خلاف پابندیاں لگا کر انھیں خلاف قانون قرار دیا گیا۔

۳۔ اخبارات اور ذرائع ابلاغ کو حکومت کے کنٹرول میں لے لیا گیا، فلموں اور ڈراموں کی حوصلہ افزائی کی گئی، چونکہ اس میدان میں عیسائی فنکار اور اہل قلم پہلے ہی سے نمایاں تھے، کلی طور پر وہی ان کے مالک بن کر عوام و خواص دونوں کی ذہنی وفکری اور سیاسی واقتصادی میدانوں میں رہنمائی کرنے لگے، سرکاری اخبارات اور رسالوں اور نشر واشاعت کے اداروں کے ذریعہ فحش ناولوں اور افسانوں کے مجموعے شائع کر کے پورے معاشرہ کے ذہن کو مفلوج کردیا گیا، سرکاری سرپرستی میں مغنیوں اور رقاصوں کو خوب کھیل کھیلنے کا موقع فراہم کیا گیا، یورپ وامریکہ کے آبرو باختہ مغنیوں رقاصوں اور نام نہاد ادیبوں کو عالمِ عربی میں تقدیس کا درجہ دیا گیا، اس کے بالمقابل دیندار عناصر خصوصاً علماء اور مشائخ اور دینی شعائر کا برسر عام مذاق اڑایا گیا، کارٹونوں اور خاکوں اور فلمی ڈائیلاگ کے ذریعہ یہ کام انجام دیا گیا، فحاشی اور بدکاری کی سرپرستی اور عمومی ترویج واشاعت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ روزناموں میں کوپن شائع ہوتے تھے، اخبار بینی کو فروغ دینے کے بہانے ان کوپنوں کے ذریعہ نصف قیمت پر فحش فلم اور ڈرامے دیکھنے کی سہولت مہیا کی گئی۔

۴۔ تینوں ملکوں کے نصاب تعلیم و تربیت کی از سر نو تشکیل کی گئی، مغربی اور اشتراکی ملکوں سے ماہرین تعلیم کو مدعو کر کے تمام نصابی کتابوں کو قومیت عربیہ کو محور بنا کر مرتب کیا گیا، فرعونی، آشوری فینیقی اور بابلی تہذیب کو فلموں، ڈراموں اور مقالات ومضامین کے ذریعہ تقدیس کا درجہ دیا گیا، نصابی کتابوں میں تدریجی طور پر اشتراکیت اور الحاد کو طالب علموں کے ذہنوں میں راسخ کرنے کا منصوبہ مہارت سے بنایا گیا۔

۵۔ تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم، مقابلہ حسن اور کھیل کود کی بڑے پیمانہ پر سرپرستی کی گئی، اعلیٰ تعلیم وتربیت کے لیے روس اور مشرقی جرمنی اور فرانس بھیجا گیا، جہاں عیسائی مشنریز نے منصوبے کے مطابق مستقبل کے ان معماروں کو ایک مخصوص سانچہ میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی، پھر جب یہ لوگ واپس آئے تو روشن خیالی اور ترقی پسندی کا تمغہ ان کے سینوں پر لٹک رہا تھا۔

۶۔ فوج کو چونکہ آئندہ اہم رول ادا کرنا تھا اس لیے پارٹی کی سیاست پر حاوی عیسائیوں اور نصیریوں درزیوں اور علویوں نے کھرچ کھرچ کر دیندار عناصر کو نکال باہر کیا، خاص منصوبے کے مطابق شام ولبنان میں سنی عناصر کو فوج سے خارج کردیا گیا۔

اس طرح جو پودے ۱۹۵۰ء میں لگائے تھے وہ اب تناور درخت بن چکے ہیں، بالفاظ دیگر الحاد وبے دینی کی فضا میں اب تک تین نسلیں پروان چڑھ چکی ہیں، عالم عربی کے تمام حساس اور کلیدی مقامات پر یہی نسل غالب ہے جس کے کرتوتوں کا پھل بجز واکرہ کھانا پڑرہا ہے (الامن عصمہ اللہ)

مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، بعث پارٹی کا پودا لگانے میں استعماری ایجنٹوں نے جو کردار ادا کیا تھا اس کا یہ فطری اور لازمی نتیجہ سامنے آنا ہی چاہئے تھا کہ پارٹی کے قائدین اور ان کے آلۂ کار رسوائیوں کے دل دل میں پھنس جائیں، اخلاقی اور سیاسی شکست وریخت کے ساتھ ساتھ عام انسانی قدروں کی جس طرح پامالی اور رسوائی ہوئی اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، خصوصاً عہد ناصری اور حافظ الاسد اور صدام کے کارناموں پر تفصیل سے تمام باتیں سامنے آگئی ہیں، ہم یہاں بعث پارٹی کے دوسرکردہ بنیادی ارکان ڈاکٹر سامی الجندی اور ڈاکٹر منیف رزاز کی شہادت پیش کرنا چاہتے ہیں، دونوں نے پارٹی کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا تھا، اول الذکر

پیرس میں شامی حکومت کے سفیر رہ چکے ہیں، لیکن بعد میں دونوں پارٹی سے الگ ہوگئے۔

ڈاکٹر سامی الجندی بعث پارٹی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''پارٹی سیاسی سطح پر جس تیزی سے ابھری تھی اسی تیزی کے ساتھ وہ رسوا بھی ہوگئی، ہمارے نزدیک پارٹی کا وجود لاحاصل، بے کار، اس کی قیادت استعماری طاقتوں کا کھلونا اور اس کا فکر چوں چوں کا مربہ ہوکر رہ گئی، ہمیں نہیں معلوم کی یہ پارٹی مارکیسٹ پر عمل پیرا ہے یا نازی ازم کی روح سے سرشار بدمست بعثی مطلق العنان غلام ہیں، وہ سب کے سب انحطاط و پستی اور ذلت کی آخری علامت ہیں، بعثی ہونا ایک تہمت اور گالی کے مرادف ہے، لوگ مذاق اڑاتے ہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہ عجیب سانحہ ہے کہ ہم لوگوں نے عرب قوم پرستی کو مظبوط و مستحکم کرنے کی غرض سے اس پارٹی کو قائم کیا تھا، لیکن اصل قضیہ اور وطن کی خدمت کے بجائے ہم اپنا سارا وقت اور تمام بہترین صلاحیتیں دوسروں کے خلاف شکایت جاسوسی اور سازشوں میں صرف کرتے ہیں، اپنے مخالفین کو بلا سبب قتل کرتے ہیں، عوام کے حقوق کی حفاظت کے بجائے ان پر ہم ڈاکہ ڈالتے ہیں، ہم سے ہماری بداعمالیوں کی بدولت غیر معمولی نفرت کی جاتی ہے، ہمارا خیال تھا کہ اخلاقی زوال کا زمانہ ختم ہوگیا اور ہم نئی تہذیب کا آغاز کررہے ہیں لیکن اس کے بجائے ہم رذالت اور پستی کی آخری علامت بن کر رہ گئے ہیں''۔

بعث پارٹی کے خلاف دوسری شہادت جو پارٹی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر منیف نے دی ہے، وہ اپنی کتاب ''فکر و تطبیق کے درمیان ہولناک خلیج کے زیر عنوان لکھتے ہیں'''' یہاں ایک طائرانہ نظر گروہ بندی اور فرقہ پرستی کی اس خطرناک بیماری پر ڈالنا ضروری ہے جو اس پارٹی تک پہونچ گئی ہے اور جس نے اس کے بنیادی عقیدہ کو زبردست زک پہونچائی ہے، اس پارٹی کی فوجی قیادت نے مصر میں مسلمانوں کے بجائے مسیحیوں کو آگے بڑھانا شروع کردیا، جن فوجی افسران کے اندر دینی و اسلامی رجحانات نظر آئے انھیں مختلف الزامات میں گرفتار کرکے جیل کے حوالے کردیا، دوسری طرف وزارت داخلہ، اور وزارت ثقافت و سائنس کے اہم اور حساس عہدوں پر مسیحیوں کو متعین کردیا، اخبارات کو کنٹرول کرنے، فلمی صنعت، ڈرامہ نویسی میں مسیحیوں کو زبردست حوصلہ افزائی کی گئی، یورپی ذرائع ابلاغ نے بھی مصر کی روشن خیالی و ترقی پسندی کی تعریف کی، دوسری طرف شامی فوج پر علوی، نصیری، دروزی اور مسیحی گروہوں نے پورا قبضہ کرلیا اور سنیوں کو مختلف طریقوں سے اس اہم ادارے سے نکال باہر کیا، اس طرح وزارت داخلہ، دفاع، وزارت ثقافت، صحافت اور ذرائع ابلاغ اور مرکزی وصوبائی وزارت تعلیم و تربیت کے کلیدی مناصب پر تمام گروہ سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق قابض و متصرف ہوگئے، اس سلسلے میں علوی گروہ سے تعلق رکھنے والے دو جنرلوں صلاح جدید اور عمران نے بڑا اہم کردار ادا کیا، ان دونوں نے فوج میں کمیشن حاصل کرنے، ٹریننگ، ترقی، تبادلہ اور ریٹائرمنٹ کے معاملات میں اپنے گروہ علوی عناصر کے مفاد کا خصوصی خیال رکھا، جن جنرلوں کا تعلق سنیوں سے ہوتا ان کو دمشق سے دور حلب اور حمص بھیج دیا جاتا، جو لوگ علوی گروہ سے تعلق رکھتے ان کو دمشق اور لاذقیہ جیسے حساس مقامات پر رکھا جاتا۔ فوجی ٹریننگ میں عداسی عناصر کے ساتھ غیر معمولی سختی سے کام لیا جاتا انھیں ترغیب دی جاتی تھی کہ لازمی فوجی تربیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کچھ نقد رقم یا غیر ملکی کرنسی وزارت دفاع کو بطور جرمانہ ادا کردیں، چنانچہ بڑی تعداد میں سنی نوجوانوں نے فوجی زندگی سے اپنے کو بے دخل کرلیا اس کا فائدہ علویوں اور نصریوں کو پہونچا لیکن یہ کام بڑے پیمانے پر پھوٹ پن طریقے سے ہوا تھا اس لیے اخبارات اور سیاسی حلقوں میں اس کا چرچا ہونے لگا، حافظ الاسد نے بھی اپنے فرقہ کے لیے فوج میں اہم رول ادا کیا۔

البعث پارٹی کی تشکیل و تاسیس میں میشیل عفلق اور ارسوزی نے بنیادی کردار ادا کیا تھا، ان کی حقیقت کیا تھی، ان دونوں کے ذاتی رجحانات و خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سامی الجندی لکھتے ہیں ''پارٹی میں مسیحی، نصیری، دروزی مسلک کے لوگ غالب تھے''، ہم نے جب پارٹی کے دو مقتدر رکن ارسوزی (علوی) اور میشیل عفلق (مسیحی یہودی) سے مذہبی مسائل پر بحث و مناقشہ کیا تو یہ انکشاف ہوا کہ دونوں ہی فرنچ میں باتیں کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، وہ حضرت مسیح اور انجیل کے متعلق تو جانتے ہیں لیکن قرآن اور اسلام سے قطعی ناواقف ہیں، ارسوزی عمومی مجلسوں میں تو عرب قوم پرستی کی باتیں کیا کرتا تھا لیکن اندر سے متعصب اور کٹر علوی تھا اور پابندی سے علوی مشائخ کو زکوٰۃ ادا کرتا اور ان کے احکامات کی تنفیذ میں تیزی دکھاتا تھا، جہاں تک میشیل عفلق کا تعلق ہے تو وہ پختہ فکر مسیحی تھا، اس کی تربیت فرانس کے مسیحی مبلغین نے کی تھی، بعد میں وہ اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا مائر کا داماد بن گیا، ارسوزی اور عفلق دونوں کی تاریخ رسوائیوں سے بھری ہوئی ہے، دونوں نے اس پارٹی کو سبوتاژ کرنے اور منصوبے کے مطابق متعین مقاصد کی تکمیل کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا اور یہ تلخ حقیقت ہے کہ مغربی استعمار نے عفلق کے لیے جو رول متعین کیا تھا خصوصاً وہ لیکن سی کے پاپائے روم نے وہ کسی سے مخفی نہیں''۔ (باقی آئندہ)

✿✿✿

قسط مکرر

بانی تحریک مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے

''پیام انسانیت'' کے بارے میں ایک گفتگو

(ایک انٹرویو ـــــ ایک دستاویز)

مولانا اسحٰق جلیس ندویؒ

سوال: میں آج آپ سے تھوڑا سا وقت ''پیام انسانیت'' کی تحریک کے سلسلہ میں لینا چاہتا ہوں، خدا کے فضل سے ہندوستان کی چار ریاستوں مدھیہ پردیش، ہریانہ، پنجاب، راجستھان میں اس کے کامیاب دورے ہوئے، بہار کے شہر سیوان میں بھی اس کا عظیم جلسہ ہوا، ہندو مسلمانوں کی یکساں دلچسپی، عظیم تعداد میں شرکت، غیر مسلم فضلا، وعمائد شہر کا ذوق وشوق سے شرکت کرنا اور اپنے گہرے تاثر کا اظہار جلسوں کا سکون اور نظم وضبط، ان جلسوں کی ایسی خصوصیات ہیں جو سالہا سال سے اس ملک میں دیکھنے میں نہیں آئی تھیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں، لاکھوں انسانوں کے دل کی آواز، اور وقت کی ضرورت ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وسیع ملک میں (مسلسل تلخ تجربوں کے بعد بھی) خلوص اور بے غرضی کی سچی طلب اور قدر ہے اور یہاں کے معاشرے کا ضمیر خوابیدہ کہا جاسکتا ہے، مردہ اور مفلوج نہیں ہے، اور خدا کی رحمت، انسانیت پر ہمیشہ سے جو اس کی نظر کرم رہی ہے اور انسانوں کی اندرونی صلاحیتوں سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں اب جب کہ یہ تحریک اس منزل پر پہونچ گئی ہے، کہ ملک کے سنجیدہ اور تعلیم یافتہ لوگوں کی نظر اس پر پڑنے لگی ہے، اور ہندوستان کی مختلف ریاستوں کی طرف سے دورے کی دعوت اور محبت و قدر کے پیام آرہے ہیں میں آپ سے ایک صحافتی انٹرویو کی ضرورت سمجھتا ہوں تاکہ اس کے اصل محرکات و مقاصد لوگوں کے سامنے آجائیں۔ اس کام کا آپ کو کیسے خیال پیدا ہوا، جب کہ آپ کا اصل مزاج علمی وفکری ہے اور مطالعہ وتصنیف (جس کے لئے سکون اور گوشہ نشینی کی ضرورت ہوتی ہے) آپ کی زندگی کا پسندیدہ مشغلہ ہے، جو جہاں تک مجھے علم ہے آپ کو وارثت میں بھی ملا ہے، اور ماحول نے بھی اس کو تقویت اور غذا پہنچائی، یہ کام سب سے پہلے آپ نے کب شروع کیا؟ کیا یہ تسلسل کے ساتھ جاری رہا، یا کچھ وقفے بھی آئے؟

جواب: مجھے اگرچہ صحافتی انٹرویو سے بہت کم مناسبت ہے، اور عام طور پر اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن پیام انسانیت کی تحریک کے اس مرحلہ پر نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، بلکہ کسی درجہ میں اس کی ضرورت اور افادیت محسوس کرتا ہوں، بعض غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کو رفع کرنے کے لئے بھی یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کے پس منظر، محرکات و مقاصد اور اس کے طریق کار پر روشنی ڈالی جائے۔

سوال: سب سے پہلے تو میں اپنی بات دہراؤں گا کہ آپ کے لئے اس تحریک کا اصل محرک اور باعث کیا تھا؟

جواب: یہ بالکل فطری اور قدرتی امر ہے کہ آدمی اپنے اس گھر کی بربادی نہیں دیکھ سکتا جس میں اس کو رہنا ہے، اور جہاں اس کی عزیز متاع، اور زندگی کی پونجی ہے اور جس کے بنانے اور سنوارنے پر اس کی اور اس کے اسلاف کی بہترین صلاحیتیں اور توانائیاں صرف ہوئی ہیں، یہ ہر سلیم الفطرت بلکہ صحیح الفطرت انسان کا خاصہ ہے کہ جس کشتی پر وہ سوار ہے اس میں وہ کسی کو سوراخ کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جس شاخ پر اس کا نشیمن ہے عقل و ہوش کی موجودگی میں نہ اس پر خود تیشہ چلا سکتا ہے اور نہ کسی کو تیشہ چلانے کی اجازت دے سکتا ہے۔

روزمرہ کا مشاہدہ تھا کہ یہ ملک تیزی کے ساتھ اخلاقی انارکی، بلکہ قومی و اجتماعی خودکشی کی طرف جارہا ہے، اخلاقی قدریں بے دردی کے ساتھ پامال کی جارہی ہیں، خودغرضی بلکہ خود پرستی کا جنون (ان افراد کو مستثنیٰ کرکے جن پر مذہب و اخلاق کی کسی وجہ سے گرفت مضبوط ہے، یا جو زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہیں) سب پر سوار ہے، انسان کی جان و مال، عزت و آبرو کا احترام تیزی کے ساتھ رخصت ہورہا ہے، حقیر شخصی فوائد کے لئے اجتماعی و ملکی مفاد کو آسانی سے قربان کیا جاتا ہے، کام چوری، احساس ذمہ داری کا فقدان، رشوت خوری، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی بے عنوانی یہ سب اسی درخت کے پھل ہیں، اور انہوں نے پوری زندگی کو عذاب بنادیا ہے، اور ان کی وجہ سے ملک کے آزاد اور بااختیار ہوجانے کے بعد بھی اس میں جینے اور آزادی سے فائدہ اٹھانے کا مزہ نہیں رہا۔

یہ خرابیاں اور کمزوریاں انگریزوں کے زمانہ میں بھی تھیں بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کے دور اقتدار اور نظام تعلیم کو ان کے پیدا کرنے، یا ان کو ترقی دینے میں بڑا دخل ہے، لیکن ایک بدیشی جابر طاقت، چوکس انتظامیہ، اور مجبوری و بے اختیاری

نے ان کو بہت کچھ بارکھا تھا، ہڈی کے اوپر سے اس سرپوش کے ہٹ جانے سے ترایاں ابال اور بھاپ کی طرح نکل پڑیں، آزادی کی جنگ اور بدیشی جوئے کے اتار پھینکنے کی مصروفیت نے قومی تعمیر اور کردار سازی کی مہلت نہیں دی، ملک تو آزاد ہوگیا لیکن ضمیر اندر سے غلام تھا، یرغانیہ یا کسی غیر ملکی طاقت کا نہیں، بلکہ جاہ وہوس، دولت و قوت، عزت و اقتدار اور تنگ نظری و تنگ دلی کا، اتنے بڑے ملک کے نظم ونسق، اور سیاسی پارٹیوں کی باہم کشمکش، اور کرسی اقتدار کی حفاظت نے اس کی مہلت نہ دی (اور چند کو مستثنیٰ کرکے) ہمارے سیاسی رہنماؤں کے ذہن میں اس کی کچھ اہمیت بھی نہ تھی کہ وہ عوام سے رابطہ پیدا کرکے ان کے دل وضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کریں، ان کے اخلاقی حس کو تیز اور متحرک کریں اور جو باتیں ملک کے لئے حقیقی خطرہ بنی ہوئی ہیں ان کی طرف متوجہ کریں، بہت انتظار کرنے کے بعد اپنی بے سروسامانی انتہائی وبے اثری کا پورا علم واحساس ہونے کے باوجود ہم نے میدان میں آنے اور بلا تفریق مذہب وملت اس ملک کے رہنے والوں کے دلوں پر دستک دینے کا فیصلہ کیا، کہ جب کسی محلہ یا گاؤں میں آگ لگتی ہے تو کوئی اپنی کمزوری اور بے نوائی کو نہیں دیکھتا، گونگے بھی چلا اٹھتے ہیں، اور اپاہج بھی دوڑ پڑتے ہیں۔

سوال: قبل اس کے کہ میں آپ سے یہ سوال کروں کہ آپ نے اول اول اس کام کی دعوت کب دی تھی؟ میں آپ سے اس سوال کی اجازت چاہتا ہوں کہ کیا آپ کے لئے اس کی گنجائش نہ تھی کہ آپ اپنے تصنیف وتالیف کے کام اور ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارہ کی خدمت وترقی میں مصروف رہتے، آپ شروع سے "تبلیغی جماعت" کے ایک اہم داعی، ترجمان اور اس کے مقاصد کے شارح اور مبلغ رہے ہیں اور آپ کو اس جماعت کے خلوص ومقبولیت، اس کے وسیع اور ہمہ گیر اثرات پر اب بھی اطمینان ہے۔ پھر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ ہندوستان کے کئی اہم تعلیمی وتصنیفی اداروں کی انتظامی کمیٹیوں کے رکن بھی سالہا سال سے چلے آرہے ہیں، آپ پوری یکسوئی اور اطمینان قلب کے ساتھ اپنے اسلاف اور بزرگوں اور استادوں کی طرح ان اداروں کی خدمت میں مصروف رہ سکتے تھے، میرے نزدیک کوئی شخص بھی جو آپ کے طبعی مذاق، صحت کی کمزوری اور خاندانی گوشہ پسندی سے واقف ہے آپ کو ملامت نہ کرتا، اور نہ اس سلسلہ میں آپ کا گریباں گیر ہوتا۔

جواب: آپ نے بڑا اچھا سوال کیا اور بڑی خوبی سے میرے لئے اپنے علمی کاموں میں انہماک اور اپنے میدان عمل کے انتخاب کے لئے عذر تلاش کرلیا، لیکن میں اپنے اس اندرونی اور اس بدیہی حقیقت کو کیسے نظر انداز کردوں کہ کسی ملک اور دور میں بھی تعلیمی وتعمیری کاموں کے لئے (خواہ وہ کتنے مقدس، ضروری اور مفید ہوں) شرط یہ ہے کہ اس ملک میں معتدل (Normal) حالات ہوں، جہاں کوہ آتش فشاں بار بار پھٹتا ہو، سائیکلون جلد از جلد آتے ہوں، سیلاب اپنی قہر سامانیوں کے ساتھ پورے پورے شہروں اور صوبوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہو، وہاں تعلیمی وتعمیری کام کے لئے دماغی سکون، اور ولولۂ عمل کہاں سے پیدا ہوسکتا ہے، یہ تو غیر اختیاری امور ہیں، اور ان پر کسی کا کوئی قابو نہیں، لیکن جہاں فرقہ وارانہ فسادات، انسان کشی، اور انسانیت سوزی کے جنون کی لہریں اٹھتی ہوں، اور اچھے پڑھے لکھے انسانوں پر اعصابی (ہسٹریا) کے دورے جلد جلد پڑتے ہوں، جہاں دولت وقوت کے سوا کوئی حقیقت زندہ اور مسلم نہ مانی جاتی ہو، اور جیسا کہ میں نے ابھی سیوان کی تقریر میں کہا تھا کہ "یہ بات تو میری سمجھ میں آتی ہے کہ انسانوں یا عمارت پر بجلی گر جائے نیویارک کے پاور ہاوس پر بجلی گری اور سب دیکھتے کہ دیکھتے رہ گئے، کسی شیخ پر چھت یا دیوار گر جائے، کوئی باغی یا ساند مست ہو کر انسانوں کی جان لے لے، اس لئے کہ یہ سب بے شعور وبے ضمیر چیزیں ہیں لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پڑھا لکھا آدمی کسی پڑھے لکھے آدمی پر گر جائے، جیسا کہ جمشید پور، مراد آباد، کیرلا اور رانچی میں ہوا، ایک ہی کالج میں پڑھانے والا استاد دوسرے استاد کے خون میں ہاتھ رنگ لے، طالب علم، طالب علم کی مخبری کرے اور کسی سیاسی جماعت کا ایک رفیق دوسرے رفیق کا گلا کاٹے"۔

اور یہ دورے کسی وقت بھی معاشرہ پر پڑ سکتے ہیں، اور لوگ معمولی بات پر اپنا دماغی توازن کھوسکتے ہیں، وہاں کسی تعلیمی وتعمیری کام یا ادارے کے بقا کی ضمانت کب تک دی جاسکتی ہے، اور اس غیر یقینی اور ہیجانی فضا میں کوئی تصنیفی یا فکری کام کیسے ہوسکتا ہے؟ بقول میر ؏

یوں زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

میں تو سمجھتا ہوں کہ اس فضا میں ادب و شاعری اور فنون لطیفہ اور اقبال کے الفاظ "لذت کردار اور جرأت اندیشہ" کی بھی کیا گنجائش ہے؟ اور یہ تو ملک گیر اور وسیع پیمانہ کے حوادث ہیں، جہاں سوسائٹی اتنی مسخ (Corrupt) ہوجائے کہ کسی کو بغیر رشوت دیئے نہ اس کا حق ملے، نہ ریل پر وہ آرام سے سفر کرسکے، نہ طالب علم پڑھنے کی طرف متوجہ ہوں، نہ استاد پڑھانے کی طرف، انتظامیہ کے سب کام بے عمل اور ست ہوں، پورے ملک میں وقت کی کوئی قدر وقیمت نہ ہو، سفر غیر محفوظ، اور قیام مخدوش ہوجائے وہاں اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں افراد کے لئے اپنے اصولوں پر قائم رہنا کب تک ممکن ہے؟

اس بنا پر میں اس بات کے سمجھنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ اخلاقی سدھار کی مہم اور پیام انسانیت کی تحریک، ملک کے تمام دینی، تعلیمی، علمی کوششوں اور تحریکوں کے لئے ایک حصار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے اندر رہ کر ہر کوشش

کامیاب ہوسکتی ہے اور اس کے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے پرسکون اور معتدل فضا مہیا ہوگی، اس لئے اس تحریک کو میں ہر تحریک کا خادم اور معاون سمجھتا ہوں، اور میرے نزدیک ہر دعوت و تحریک کو اس کا خیر مقدم کرنا چاہئے، کم سے کم اس کی حیثیت وہ ہے جو کسی فراش یاسقہ، یا زمین برابر کرنے والے، یا شامیانہ لگانے والے کی ہوتی ہے، جس کے بعد کوئی بھی جلسہ، یا اجتماع ہوسکتا ہے، خواہ وہ خالص مذہبی نوعیت کا ہو، یا تعلیمی بحث ومذاکرہ کا۔

سوال: اب مجھے پوچھنے کی اجازت دیجئے کہ اس بھرے پرے ملک میں جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے آپ ہی نے کیوں اپنی ذمہ داری سمجھی کہ اس دعوت کو لے کر کھڑے ہوں؟ اور کسی کا انتظار کئے بغیر میدان میں آئیں؟

جواب: آپ کا سوال بالکل حق بجانب ہے، لیکن آپ خود صاحب علم ہیں اور قرآن وحدیث اور سیرت نبوی پر آپ کی نظر ہے، آپ کو معلوم ہے کہ مسلمان خالص اپنے مذہب کے رو سے بھی اس کا ذمہ دار ہے کہ جہاں کہیں ہوا پنے ماحول کی فکر کرے، شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دھنسا کر خطروں سے آنکھیں بند نہ کرلے، "اور سب خیریت ہے" کا سبق نہ دہرائے مسلمان کو ہر جگہ بھلائی کا حکم دینے، اور برائی سے روکنے کا حکم ہے، اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ زندگی کی جس کشتی پر سوار ہے، وہ جب ڈوبے گی تو اس کو لے کر ڈوبے گی، اس کے پیغمبر (ﷺ) نے اس صورت حال کے لئے جو مثال دی ہے، اس سے بہتر مثال کم سے کم مجھے مذہبی واخلاقی لٹریچر میں نہیں ملی، آپ نے فرمایا کہ "ایک کشتی پر کچھ لوگ بالائی منزل پر سوار ہیں، اور کچھ نیچے کی منزل پر، نیچے والے مجبور ہیں کہ اوپر جاکر پانی لائیں اور اپنی پیاس بجھائیں، پانی گرتا اور اچھلتا ضرور ہے، کشتی کے "بالانشینوں" کو اس سے کچھ تکلیف ہوئی، انہوں نے روک ٹوک کی، نیچے والوں نے کہاں کہ پانی کے بغیر انسان کا گذارا نہیں، اگر اوپر والے پانی نہیں لینے دیتے، تو ہم نیچے کے حصہ میں سوراخ کرلیں گے، اور وہیں بیٹھے بیٹھے دریا سے پانی حاصل کریں گے، آپ نے فرمایا، اگر اوپر والوں میں ذرا بھی سمجھ ہے تو وہ ان کو ایسا کرنے سے روک دیں گے، اور پانی لے جانے کی اجازت دیدیں گے، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا اور کشتی میں سوراخ ہوگیا تو نہ اوپر والے بچیں گے نہ نیچے والے"۔

بس ہم سب اسی کشتی کے سوار ہیں، یہ ہمارے ملک کی کشتی ہے، اگر خدانخواستہ ڈوبی تو نہ ہمارے ادارے بچیں گے نہ کتب خانے، نہ مقدس اور خدا رسیدہ افراد، نہ عالم وفاضل، نہ بزرگ۔

سوال: کیا آپ کو تحریک شروع کرتے وقت یہ خیال نہیں ہوا کہ مسلمانوں کے اس اخلاقی سدھار کی قیادت کی آواز لگانے اور اس کا جھنڈا ہاتھ میں لینے سے برادران وطن میں بدگمانیوں کا ایک طوفان کھڑا ہوجائے گا، اور مسلمانوں کو اس کے ذریعہ سیاسی مقاصد کے پورا کرنے کا الزام دیا جائے گا۔

جواب: جی ہاں یہ خطرات تو تھے، لیکن خطرات اور اندیشوں کی بناء پر کوئی ضروری کام چھوڑا نہیں جاسکتا، جب کام شروع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ دلوں اور دماغوں کے دروازے بند نہیں ہیں، اور جب کوئی کسی آتش زدہ محلے یا گاؤں میں صدا لگاتا ہے، آگ لگی ہے، آگ لگی ہے، تو کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ صدا لگانے والے کا مذہب کیا ہے، میں اس موقع پر اپنی ایک پرانی تقریر کا اقتباس پیش کرتا ہوں، جو ۵۴-۱۹۵۵ء کی ہے:-

"عالم انسانی کی ایک اہم ضرورت ہے کہ اغراض وتعصبات، قوم پرستی اور سیاسی مقاصد سے بالکل آزاد وبے تعلق ہوکر، عام انسانوں کے سامنے وہ حقیقتیں رکھی جائیں، جن پر انسانیت کی نجات اور سلامتی موقوف ہے اور جن کو نظر انداز کرکے ہمارا یہ پورا تمدن اور پوری انسانی سوسائٹی اس وقت سخت خطرے سے دوچار اور موت وزیست کی کشمکش میں گرفتار ہے، یہ حقیقتیں اپنے اپنے زمانے میں پیغمبروں نے بیان کی تھیں، اور ان کے لئے سخت جدوجہد کی تھی، یہ حقیقتیں اب بھی زندہ ہیں، لیکن سیاسی تحریکوں، مادی تنظیموں اور قومی خود غرضیوں نے گردوغبار کا ایسا طوفان کھڑا کردیا ہے کہ روشن حقیقتیں ان کے اوٹ میں اوجھل ہوگئی ہیں، لیکن انسانی ضمیر بھی مردہ، اور انسانی ذہن بھی مفلوج ومعطل نہیں ہوا ہے، اگر پوری بے غرضی، پورے یقین اور پورے خلوص کے ساتھ، ان حقیقتوں کو عام فہم زبان اور دلنشیں انداز میں بیان کیا جائے، تو یہ انسانی ضمیر وذہن اپنا کام کرنے لگتا ہے اور بڑی گرمجوشی سے ان حقیقتوں کا استقبال کرتا ہے، اور بعض وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تقریروں میں اس کے دل کی ترجمانی اور اس کے درد کا مداوا ہے"۔

آپ نے کم سے کم بھوپال کے صدر منزل لکھنؤ کے گنگا پرشاد میموریل ہال، آگرہ کے سینٹ جارج کالج ہال، اندور کے ٹیگور ہال، بہرائچ کے ٹاؤن ہال، اور پنڈی گھیب، جے پور، جودھپور اور ناگپور کے عظیم جلسوں میں غیر مسلم بھائیوں کا گہرا تاثر اور ان کے ذوق وشوق کی کیفیت دیکھی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ لوگوں میں موجودہ صورت حال سے بے اطمینانی، بیزاری کی حد تک پہونچی ہوئی ہے، تاریخ کا مسلسل تجربہ ہے کہ ایسے

موقع پر وہ لوگ تو کم تعداد میں ہوتے ہیں جو اس صورت حال سے پنجہ آزمائی کے لئے میدان میں آجائیں لیکن وہ لوگ بڑی تعداد میں ہوتے ہیں، جو اس صورت حال کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں یا کم سے کم دل سے اس کو پسند کرتے، ان کے حق میں کلمۂ خیر کہتے، یا دل سے دعا دیتے ہیں، ایسے موقع پر کسی فرد یا جماعت کا میدان میں آنا شرط ہے، اگر کوئی میدان میں آنے کے لئے تیار نہ ہو تو حالات کا یہ دھارا اسی رخ پر بہتا رہتا ہے۔ اور یونان و روما کی شاندار تہذیبوں کی طرح وہ تہذیب یا معاشرہ بھی زوال کا شکار اور تاریخ کا قصہ ماضی بن کر رہ جاتا ہے۔

سوال: کیا آپ اس سوال کا جواب دینا ناپسند کریں گے، کہ مسلمانوں کو من حیث الجماعۃ بھی اس دعوت و تحریک سے کچھ فائدہ پہونچے گا؟

جواب: آپ نے ذرا نازک سوال کیا ہے، میرے نزدیک مسلمانوں کو من حیث الجماعۃ اس کا کچھ بھی فائدہ نہ پہونچے اور ملک کو فائدہ پہونچ جائے، جب بھی ان کو یہ کام کرنا چاہئے، وہ اپنے دین و منصب کے لحاظ سے اس کے مامور ہیں، اور ملک کے ہر فائدے میں شریک، لیکن میرے نزدیک مسلمانوں کے لئے اس ملک میں باعزت طریقے پر رہنے کا یہی راستہ ہے کہ وہ اپنی افادیت ثابت کریں، اور اخلاقی قیادت کے اس خلا کو پر کریں جو عرصۂ دراز سے اس ملک میں چلا آرہا ہے، کسی ملک میں کوئی اقلیت یا فرقہ اپنی واضح افادیت و ضرورت اور بے لاگ و بے غرض قیادت و دعوت کے بغیر عزت و اطمینان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اقبال نے صحیح کہا ہے ع

زندگی جہد است استحقاق نیست

سوال: اب مختصراً یہ بتا دیجئے کہ آپ نے یہ کوشش کب شروع کی تھی؟ اور اس میں تسلسل یا کوئی وقفہ بھی آیا؟

جواب: یوں تو میں نے تقسیم اور ملک آزاد ہوجانے کے بعد ہی سے اپنے ان خیالات اور ملک کی اخلاقی گراوٹ، اور بگڑتی ہوئی صورت حال پر اپنی گہری تشویش کا اظہار اپنے بعض مضامین اور رسائل کے ذریعہ کرنا شروع کردیا تھا، چنانچہ اسی زمانہ میں میرا ایک مضمون ''ہندوستانی سماج کی جلد خبر لیجئے'' کے عنوان سے نکلا تھا جس کا ہندی، انگریزی ترجمہ میں نے اس وقت ملک کے تقریباً تمام سربرآوردہ سیاسی رہنماؤں اور وزراء اعلیٰ کو بھیجا تھا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ کوشش ۱۹۵۰ء کے آغاز میں شروع ہوئی، اس سلسلہ کی پہلی تقریر جس سے اس مہم کا آغاز کیا گیا، ۹ رجنوری ۱۹۵۰ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں ایک ایسے اجتماع میں کی گئی جس میں شہر کے سربرآوردہ حضرات اور غیر مسلم تعلیم یافتہ اصحاب کی خاصی تعداد شریک تھی، اس زمانہ میں تبلیغی دورے کے ساتھ اس جزء کو شامل کیا گیا تھا، چنانچہ اس کے بعد ہی مشرقی اضلاع کا ایک دورہ کیا گیا جس میں جونپور، غازی پور، مئو اور گورکھپور میں بڑے بڑے ملے جلے اجتماعات ہوئے، اس دورے کی تقریریں ایک مجموعہ میں جمع کردی گئی ہیں، جس کا نام ہی ''پیام انسانیت'' ہے اس سلسلہ کا دوسرا نمبر ''مقام انسانیت'' کے نام سے شائع ہوا، لیکن کچھ ہی دن کے بعد اندازہ ہوگیا کہ اس کو تبلیغی دوروں کے ساتھ ملانا بعض غلط فہمیوں کا موجب ہوگا، ادھر یہ احساس غالب آنے لگا کہ ایسی تقریروں کے لئے جن احتیاطوں اور رعایتوں کی ضرورت ہے ان پر سب کو قدرت نہیں، اس لئے ان تقریروں کا بوجھ زیادہ تر اس ناچیز پر، اور مولانا محمد منظور صاحب نعمانی پر تھا، اور جہاں ہم نہ ہوتے وہاں اس کا کوئی اجتماع بھی نہ کیا جاتا۔

ادھر میرے بیرونی ملک کے سفر پیش آنے لگے کہ اس کے کچھ عرصہ کے بعد ہی مجھے دمشق یونیورسٹی کی طرف سے دعوت آئی، اور کئی مہینے ملک سے باہر رہا، وہاں سے آنے کے بعد اپنے دوسرے تصنیفی و علمی مشاغل میں مصروف ہوگیا، واقعہ یہ ہے کہ مجھے ساری عمر اس کا قلق رہے گا کہ یہ سلسلہ کیوں نہ جاری رکھا گیا، میں اس کو اپنی ایک اخلاقی کوتاہی سمجھتا ہوں، اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس پر ہمارا محاسبہ نہ ہو، مجھے یقین ہے کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہتا تو رفقاء بھی تیار ہوجاتے اور ملک کی فضا پر بھی اس کا اثر ضرور پڑتا، اس طویل وقفہ کے بعد دسمبر ۱۹۷۴ء کو الہ آباد سے پھر اس مہم کا آغاز کیا گیا، اور اس کے بعد سے کسی نہ کسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے۔

سوال: اب دو سوالات میں اور کرنا چاہتا ہوں، آپ نے اپنی علالت اور تکلیف کے باوجود اتنے تفصیلی جوابات دیے اور یہ انٹرویو میرے اندازہ اور توقع سے زیادہ طویل ہوگیا، میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اس تحریک سے بعض حضرات کو بعض خدشات ہیں، ان میں سب سے بڑا خدشہ یہ ہے کہ کہیں اس سے وحدت ادیان کا فتنہ پیدا نہ ہو، آپ اس سلسلہ میں اگر کوئی وضاحت مناسب سمجھتے ہوں تو فرمائیں۔

جواب: اس کا سارا انحصار داعیوں کی نیت، ان کے یقین و عزم اور ان کے دعوت کے پیش کرنے کے طریقہ پر ہے، آپ کو معلوم ہے کہ میں شروع سے وحدت ادیان کا مخالف، اور وحدت حق کا قائل ہوں، ۱۹۷۴ء کے بعد ہی سے میں نے اس پر مضامین لکھنے شروع کئے اور ہر اس چیز کی مخالفت شروع کی جس سے مسلمانوں میں کسی دوسری تہذیب یا دعوت میں تحلیل ہونے کا اندیشہ پیدا ہوتا تھا، اس سلسلہ میں میں اپنے دو رسالوں کا حوالہ دوں گا جن کا تعلق علی الترتیب ڈاکٹر سمپورنانند وزیر اعلیٰ ریاست یوپی، اور بابو پرشوتم داس ٹنڈن صدر کانگریس اور اسپیکر یوپی اسمبلی کی بعض تقریروں اور مضامین سے تھا، ایک کا عنوان ''مسلمان اور ہندوستانی پروج'' اور ایک کا نام

''مذہب یا تہذیب'' ہے۔ درحقیقت یہ تحریک و حدت ادیان کی نہیں، وحدت انسان کی ہے، اس لئے ہم ان تقریروں میں اس سے امکانی حد تک احتیاط برتتے ہیں، کہ ان میں مذہب کی دعوت دی جائے، ہم صرف اخلاق، خدا ترسی، انسانی دوستی اور اخلاقی اور شہری شعور کی دعوت دیتے ہیں، یوں سمجھ لیجئے کہ یہ اس غیر مسلم اکثریت کے ملک میں اس ''حلف الفضول'' کی ایک تقلید ہے جو بعثت سے قبل مکہ معظمہ میں ایک انجمن یا معاہدہ کی شکل میں قائم ہوا تھا، جس کے اہم دفعات یہ تھے کہ ''ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے، مسافروں کی حفاظت کریں گے، غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے، زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے''۔ آنحضرت ﷺ اس میں شریک تھے، اپنے نبوت کے زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی اس انجمن کے نام سے کسی کو مدد کے لئے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کو تیار پایا جاؤں گا۔

سوال: اب میرا آخری سوال یہ ہے کہ بعض لوگوں کو یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں اس تحریک کا ہندوستان کی دوسری دینی کوششوں سے تصادم نہ ہوجائے یا یہ تحریک ان کو کچھ نقصان نہ پہونچائے، جو عرصۂ دراز سے جاری ہیں، اور جن کے اثرات اور فوائد روز روشن کی طرح واضح ہوچکے ہیں؟

جواب: میں اس کو ''اندیشہ دور دراز'' سے زیادہ وقعت نہیں دیتا، اس لئے کہ جیسا کہ میں نے کہا ہے، کہ یہ تحریک سب کے لیے مفید و معاون، اس کے لئے ساز گار فضا پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، جس کے بغیر کوئی تحریک سکون و اطمینان کے ساتھ اپنا عمل نہیں کرسکتی ہے، ہر کام کے لئے معتدل (Normal) حالات کی ضرورت ہے، اس کی ضرورت ہے کہ دماغ اپنا توازن نہ کھوئیں، طبیعتوں میں اشتعال، برہمی، اور بے جا بدگمانیاں نہ پائی جائیں، ان میں بات سننے کا موڈ اور اچھی بات کے قدر کی صلاحیت ہو، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تحریک یہ مقصد پورا کرتی ہے۔

جہاں تک تصادم اور ٹکراؤ کا تعلق ہے تو ٹرین ٹرین سے لڑسکتی ہے، موٹر موٹر سے ٹکرا سکتی ہے۔ لیکن ٹرین اور کشتی یا جہاز میں کوئی ٹکر نہیں ہوسکتی، اس لئے کی ایک خشکی پر چلتی ہے، دوسری پانی میں۔

تحریک ''پیام انسانیت'' کے مخاطب جلا تفریق مذہب و ملت ملک کے تمام باشندے ہیں۔ اسکا موضوع انسانیت اور اخلاق ہے، اس کا مقصد اس ملک کے رہنے والوں میں زندگی کا سلیقہ اور شہریت کا احساس پیدا کرنا ہے۔

آخر میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ میں ان حضرات کو اس تحریک میں شامل کرنے کے بارے میں کتنا محتاط ہوں جو دوسری دینی، دعوتی و تبلیغی تحریکات میں شامل ہیں، ان کے بارے میں مطمئن ہیں اور مفید کام کررہے ہیں بلکہ عام طور پر ان کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنے کام میں پورے انہماک کے ساتھ لگے رہیں، اس کے بعد بھی اگر کسی کو مخالفت یا تصادم کا اندیشہ ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ وہم کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نیتوں کا جاننے والا اور قلوب کی حفاظت کرنے والا ہے، فنعم المولیٰ ونعم النصیر۔

تبصرہ کتب کے سلسلہ میں جملہ خط و کتابت نیز کتابوں کی ترسیل مولانا محمود حسن حسنی ندوی کے نام کریں تاکہ آپ کی کتاب یا تالیف پر بہ عجلت ممکنہ تبصرہ شائع کیا جاسکے۔

بقیہ: قرآن اور عقیدۂ توحید

سے بہت سی نہریں اور دریا بنائے اور اس میں پہاڑ بنائے اور دو سمندروں (میٹھے اور کھاری) کے درمیان دیوار بنائی۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خدا ہوسکتا ہے؟ لیکن ان میں بہت سے لوگ جانتے نہیں۔

''وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور پھر اس کی مصیبت دور کرتا ہے وہ وہ جو تم کو زمین کا خلیفہ (حکمران) بناتا ہے؟ کیا اللہ کے سوا اور بھی ہے جو یہ کام کرسکتا ہے؟ تم میں سے بہت کم ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ وہ کون ہے جو تمہاری رہنمائی کرتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں اور جو خوشخبری لاتی ہیں اس کی ہواؤں کو بھیجتا ہے، جو خوشخبری لاتی ہیں اس کی رحمت (بارش) کی۔ کیا اللہ کے سوا بھی کوئی اور ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت برتر ان معبودوں سے جنھیں وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ کون ہے جس نے مخلوق کی ابتدا کی (بنایا) اور پھر وہ دوبارہ اس مخلوق کو زمین سے اٹھائے گا (قیامت کے روز) وہ کون ہے جو زمین سے تمہارے لیے رزق عطا کرتا ہے، کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خدا ہوسکتا ہے؟ اگر ہے کوئی تو لاؤ دلیل اگر تم سچے ہو''۔

آخر میں آپ ان قرآنی آیتوں پر غور فرمائیں اور ہمارا نظام تعلیم دیکھیں۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں جو رزق ملتا ہے، جو بارش ہوتی ہے، جو درخت اگے ہوئے ہیں یہ سارے اللہ کی طرف سے ہیں، ہمارے بچے انگریزی اسکولوں میں اسلامیات کی کتاب بھی پڑھتے ہیں اور سائنس بھی پڑھتے ہیں جس میں یہ پڑھتے ہیں کہ سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں جس سے بارش ہوتی ہے اور پھر کھیتی ہوتی ہے۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں آتا کہ یہ نظام اللہ کا بنایا ہوا ہے، اللہ ہی بارش بھیجتا ہے، درخت و غلہ اگاتا ہے، عقیدۂ توحید اسی وقت پختہ ہوگا جب ہماری سائنس میں بھی اللہ کا ذکر ہو۔ یہ نظام کائنات خود ہی نہیں چل رہا بلکہ اسے جو ہستی چلا رہی ہے اسی کا نام اللہ ہے۔

بصائر وعبر

باقی سب اس کے تابع ہے

ڈاکٹر نعیم صدیقی ندوی (مقیم ابوظبی)

● باقی سب اس کے تابع ہے۔

حضرت عمیر بن سعدؓ عہد فاروقی میں کافی عرصہ تک حمص (شام) کے گورنر رہے تھے ولایت حمص سے واپسی پر وہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے پاس سوائے ایک تھیلے، ایک پیالے، ایک مشکیزہ، اور ایک لاٹھی کے کچھ نہ تھا۔ ''آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' حضرت عمرؓ نے ابن سعد کا ''مایۂ حیات'' دیکھکر فرط حیرت سے پوچھا۔ ''آپ نے یہ کیسی حالت بنائی ہوئی ہے'' (کہ پاس کچھ نہیں)

''کیا آپ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ اے امیر المومنین'' حضرت ابن سعدؓ نے سراپا ادب و احترام بن کر عرض کیا ''آپ دیکھ رہے ہیں کہ میرا بدن صحیح ہے، اور میرے ساتھ دنیا کی ساری ضرورت کی چیزیں موجود ہیں''۔

''کیا ہے تمہارے پاس؟'' حضرت عمرؓ کی حیرت مزید بڑھ گئی ''تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ تو میں دیکھ رہا ہوں''

''یہ دیکھیے'' حضرت عمیر بن سعدؓ نے اپنے ''سامان'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کمال توکل واستغنا کے ساتھ عرض کیا ''اس تھیلے میں میں اپنا توشہ رکھتا ہوں۔ یہ ایک بڑا پیالہ ہے جو میرے کپڑے دھونے کے کام آتا ہے۔ اس مشکیزہ میں میرے پینے کا پانی رہتا ہے اور یہ جو لاٹھی آپ دیکھ رہے ہیں اس کی غرض یہ ہے کہ اگر کبھی دشمنوں سے سامنا ہو جائے تو اس کے ذریعہ میں اپنا دفاع کر سکوں۔ بس۔ اور باقی جو کچھ ہے وہ سب اس کے تابع ہے''۔

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں''۔ یہ کہتے ہوئے حضرت عمرؓ آبدیدہ ہو گئے۔

سب سے بڑا بیوقوف کون؟

بہلول مجذوبؒ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں ایک مجذوب صفت بزرگ تھے۔ ہارون رشید ان کی باتوں سے ظرافت کے مزے لیا کرتا تھا۔ وہ کبھی کبھی جذب کے عالم میں بڑے پتے کی باتیں بھی کہہ دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ بہلول مجذوبؒ خلیفہ کے پاس پہنچے۔ ہارون رشید نے ایک چھڑی اٹھا کر دی اور مزاحاً کہا کہ'' میں یہ چھڑی تمہیں دے رہا ہوں۔ جو شخص تمہیں اپنے سے زیادہ بے وقوف نظر آئے اسے دیدینا''

بہلول مجذوبؒ نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ چھڑی لے کر رکھ لی اور واپس چلے آئے بات آئی، ہو گئی۔ شاید ہارون رشید بھی بھول گئے ہوں گے۔

عرصہ کے بعد ہارون رشید کو سخت بیماری لاحق ہو گئی۔ بچنے کی امید نہ تھی اطباء نے جواب دے دیا بہلول مجذوبؒ بھی عیادت کے لیے پہنچے۔ اور سلام کے بعد پوچھا: ''امیر المومنین! کیا حال ہے''؟

''بڑا طویل سفر درپیش ہے'' ہارون رشید نے جواب دیا۔

''کہاں کا سفر؟'' بہلول نے تعجب سے پوچھا

''آخرت کا!'' خلیفہ نے ایک آہ بھری۔

''وہاں سے جناب والا کی واپسی کب تک ہو گی؟ بہلول نے نہایت سادگی سے پوچھا:

''بہلول! تم بھی عجیب آدمی ہو'' خلیفہ جھنجلا گیا'' بھلا آخرت کے سفر سے بھی کوئی واپس ہوا ہے؟''

''اچھا آپ واپس نہیں آئیں گے''۔ بہلول نے پھر تعجب کا اظہار کیا'' تو آپ نے کتنے حفاظتی دستے آگے روانہ کیے ہیں اور ساتھ کون کون جا رہا ہے؟''

''آخرت کے سفر میں کوئی ساتھ نہیں جاتا'' خلیفہ ایک حسرتناک آواز میں بولا'' خالی ہاتھ جا رہا ہوں''۔

''اچھا اتنا لمبا سفر اور کوئی معین و مددگار ساتھ نہیں''۔ بہلول مجذوب معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئے'' تو پھر لیجئے یہ امانت واپس ہے'' (ہارون رشید کی دی ہوئی چھڑی بغل سے نکالتے ہوئے انہوں نے کہا)

''مجھے آپ کے سوا کوئی انسان اپنے سے زیادہ بے وقوف نہیں مل سکا۔ آپ جب کبھی چھوٹے سے سفر پر بھی جاتے تھے تو ہفتوں پہلے اسکی تیاریاں ہوتی تھیں۔ حفاظتی دستے آگے چلتے تھے۔ خدم وحشم کے ساتھ حفاظتی دستے اور لشکر ہم رکاب ہوتے تھے'' بہلول مجذوبؒ فرط وچشم کے ساتھ حفاظتی دستے اور لشکر ہم رکاب ہوتے تھے''۔ بہلول مجذوبؒ فرط جذب میں غایت جرأت کے ساتھ بولتے چلے گئے۔ ''اتنے لمبے سفر میں جس میں واپس بھی ناممکن ہے، آپ نے تیاری نہیں کی''۔

''بہول! ہم تمہیں دیوانہ سمجھا کرتے تھے'' ہارون رشید نے بلک کر روتے ہوئے بہلول کے ہاتھ پکڑ لیئے'' مگر آج پتہ چلا کہ تمہارے برابر کوئی

حکیم وفرزانہ نہیں''۔

وزیر اعلیٰ کا مہمان

ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو پنجاب کے ایک وزیر اعلیٰ نے اپنے گاؤں آنے کی درخواست کی تاکہ ان کے گاؤں والوں کو حضرت کی صحبت سے فائدہ پہنچے۔

حضرت لاہوریؒ نے وزیر اعلیٰ سے فرمایا:

''ٹھیک ہے میں آپ کے گاؤں ضرور چلوں گا مگر اس شرط پر کہ میرے کھانے وغیرہ کا انتظام آپ کے ذمہ نہ ہوگا''۔

وزیر اعلیٰ نے خیال کیا کہ حضرت شاید میری مشتبہ آمدنی کی وجہ سے ایسی شرط عائد کر رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے عرض کیا:

''حضرت آپ کے کھانے کا انتظام کسی تقویٰ شعار گھرانے میں کر دیا جائے گا''۔

''میرا مطلب وہ نہیں جو آپ سمجھے'' حضرت لاہوریؒ نے فرمایا'' میرا مطلب یہ ہے کہ میرے کھانے وغیرہ کے معاملات سے آپ کو کوئی سروکار نہ ہوگا۔ شرط منظور ہو تو چلیں''۔ چار و ناچار وزیر اعلیٰ کو یہ شرط ماننی پڑی۔ چنانچہ حضرت لاہوریؒ تشریف لے گئے اس بارے میں فرماتے تھے کہ:

''میں نے بھنے ہوئے چنے ساتھ لے لیے تھے۔ جب سب لوگ سو جاتے تو میں مٹھی بھر چنے نکال کر کھا لیتا۔ ہفتہ بھر یہی معمول رہا''

(حکایات الاسلاف ج ا ص ۱۱۴)

تبلیغ اور غار حراء کی چڑھائی:

بانی تبلیغ و دعوت حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ایک تبلیغی سفر پر کلتاج پور جا رہے تھے۔ راستے میں پہاڑ کی چڑھائی تھی اور بیل گاڑی کا سفر راستہ میں گاڑی الٹ گئی۔ لوگوں کو چوٹ بھی کافی آئی۔ خدا خدا کر کے لوگ اوپر پہنچے، لیکن نہایت خستہ حال اور گرد آلود۔ اس قافلہ میں بعض وہ علماء بھی شامل تھے جو ایسی تکالیف کے عادی نہ تھے۔ تاہم اس سے پہلے کہ وہ مولانا ئے مرحوم سے اپنی تکان، تکلیف اور خستگی کی شکایت کرتے، مولانا محمد الیاسؒ نے ان سے فرمایا:

''ساری عمر میں آج ایک دن تم کو غار حرا کی سی چڑھائی پیش آئی، بتاؤ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی بار پیش آئی تھی۔ ہمیں اپنی اس محرومی اور کوتاہی پر شرمندہ ہونا چاہئے''۔

عمال کے ہدایا رشوت ہیں

ابن قتیبہ نے بروایت شعبیؒ نقل کیا ہے کہ ایک سردار قریش ہر سال حضرت عمرؓ کو بکری کی ایک ٹانگ ھدیۃ'' دیا کرتا تھا حضرت عمرؓ اتباع رسول میں ہدایا قبول فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ سردار اپنا ایک معاملہ دربار عمر میں لے کر حاضر ہوا اور کہا:

''امیر المومنین! ہمارے درمیان ایک عمدہ فیصلہ کیجئے جس طرح کہ ٹانگ کو تمام بکریوں سے جدا کر دیا جاتا ہے'' (اور وہ آپ تک پہنچ جاتی ہے)'' آپ بھی ایک ایسا فیصلہ میرے حق میں فرمادیں''۔

حضرت عمر اس کا مطلب سمجھ گئے اور فریقین کا موقف سن کر اس سردار قریش نے خلاف فیصلہ سنا دیا۔ پھر اپنے تمام حکام وعمال کو لکھ بھیجا کہ

''خبردار! ہدایا بعینہ رشوت ہیں، آج کے بعد کسی سے کوئی ہدیہ قبول نہ کیا جائے''

(عیون الاخبار ج ا ص ۱۴)

❁ ❁ ❁

بیرونی ممالک میں ہمارے نمائندے

جناب طارق عسکری
P.O. Box No. 3040
Madina Munawwara, (K.S.A.)

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی
Oxford Center for Islamic Studies,
George Street, Oxford Ox12AR

جناب تبتی ندوی
P.O.Box No.388,Vereninging (S.Africa)

قاری عبد الحمید ندوی
P.O. Box No. 12525, Dubai (U.A.E.)

جناب محمد خالد ندوی
P.O. Box No. 51625 Dubai (U.A.E.)

ڈاکٹر آفتاب عالم ندوی
P.O. Box No.1513, Doha, Qatar

ڈاکٹر ایم اے صدیقی
98- Conklin Ave. Woodmere,
New York 11598 (U.S.A)

شرائط ایجنسی

۱- پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲- فی کاپی پندرہ روپے کے حساب سے زرضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳- کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخ اشتہار

۱- فی کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ چالیس روپے۔
۲- فی کالم فی سینٹی میٹر پشت پر تین صفحہ پچاس روپے۔
۳- کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا۔
۴- اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔
۵- انٹرنیٹ اور تعمیر حیات دونوں کا نرخ اشتہاری کالم فی سینٹی میٹر اسی روپے۔

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (پیغام سلپ) پر خریداری نمبر کے ساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں، اگر جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضروری کریں۔

اصلاح معاشرہ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری

اولاد کی خواہش فطری ہے۔ اللہ عزوجل نے اس فطری خواہش کی تکمیل پر کوئی روک نہیں لگائی ہے بلکہ نسلی امتداد قائم رہے۔ اور خدا کی یہ زمین نسل انسانی سے آباد رہے۔ اس معبود برحق نے اس کے حصول کے جائز طریقے بتائے بلکہ اس کو عین عبادت قرار دیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں سے شادی کرنے کا حکم دیا جن کے خاندان کی عورتیں کثرت سے اولاد جنتی ہوں۔ اور شوہروں سے ان کی محبت مثالی ہو، اسی لئے قطع وضع نسل کے جتنے طریقے ہیں شریعت نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ لواطت ہو۔ یا زنا، استمناء بالید ہو یا ایسے جدید طریقے اختیار کئے جائیں جن کی وجہ سے حمل قرار نہ پاسکے۔ اسی وجہ سے نس بندی اختصاء وغیرہ کی اجازت بھی شریعت نہیں دیتی ہے۔ اور یہ بھی قتل اولاد کی فہرست میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

اولاد اللہ کی نعمت ہے، نوع بشری کا حسین پھول اولاد کی شکل ہی میں ظاہر ہوتا ہے وہ باغ ہی کیا جو پھولوں سے خالی ہو۔ ہر مالی کی تمنا ہوتی ہے کہ اس کا باغ پھول وپھل لائے۔ اور جب اس کے باغ کی ڈالیوں میں پھولوں کے گجرے نظر آتے ہیں تو اس کی باچھیں کھل اٹھتی ہیں۔ اسی لئے پہلے جب کسی نوجوان کی شادی ہوتی اور اس کی بیوی امید سے نظر آتی تو پورے خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ سسرال اور مائیکے والے اس کے تحفظ کا پورا لحاظ کرتے اور ایک دن وہ آتا ہے جب آنگن میں خوشیوں کی شہنائی بجتی۔ لوگ مبارکباد پیش کرتے۔ حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا کہ جب کسی کے یہاں اولاد ہو تو ہم کس طرح مبارکباد پیش کریں۔ فرمایا:

"جعله الله مبارکا علیك وعلی امة محمد صلی الله علیه وسلم

اللہ اس بچہ کو تمہارے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے حق میں مبارک فرمائے۔

ان الفاظ میں مبارکباد پیش کیا کرو۔

آج مغربی معاشرہ میں اولاد بوجھ بن گئی ہے۔ نئے جوڑے ایک عرصہ تک چاہتے ہیں کہ اولاد کے بوجھ سے آزاد رہیں۔ اس کے لئے ایسی دوائیں استعمال کرائی جاتی ہیں۔ جو اس مقصد کے حصول میں معاون ہوتی ہیں۔ لیکن بعد میں ایسے لوگوں کو پچھتانا پڑتا ہے۔ میرے علم میں ایک ایسا واقعہ ہے جو عبرت انگیز ہے۔ ہمارے قریبی رشتہ داروں میں ایک عزیز کی شادی ہوئی۔ رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی۔ سسرال اسی محلہ میں تھی یہاں بیوی کی ملاقات کا علم سسرال والوں کو نہیں تھا۔ لیکن مائیکے والے واقف تھے۔ اسی اثناء میں لڑکی امید سے ہوگئی لڑکے کو جب معلوم ہوا تو بہت پریشان ہوا، اور صرف اس لئے کہ اس کے گھر والوں کو معلوم ہوگا۔ تو وہ اسے اچھا نہیں سمجھیں گے۔ اس نے ایسی دوا کھلا دی جس سے حمل قرار نہ پاسکا اور ضائع ہوگیا۔ لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کے بعد آج تک حمل قرار ہی نہ پاسکا، اب مایوس، نڈھال اور اپنے کئے پر پچھتانے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بہت علاج کیا لیکن بے سود، جھاڑ پھونک بھی کرائے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ایسے بھی نوجوان ہیں جو شادی کے بعد محض فیشن میں ایسی غلطی کر بیٹھتے ہیں اور پھر اولاد نہ ہونے پر بیوی کو طلاق دینے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ ان کا دوہرا جرم ہے، انہیں خدا کے غضب سے ڈرنا چاہئے۔ شادی اولاد کے لئے ہوتی ہے۔ حظ نفس تو اللہ نے اس کے استحکام کے لئے رکھی ہے۔ تاکہ نسلی امتداد قائم رہے۔ آج مغربی تہذیب نے سوچ کے دھارے بدل دیئے ہیں۔ حظ نفس کو اصل سمجھ لیا گیا۔ جس کی وجہ سے بے مقصدیت شتر بے مہار کی طرح فروغ پاتی گئی۔ یہاں تک کہ زندگی اجیرن ہوگئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت محمدیہ کی کثرت پر فخر کا اظہار فرمایا ہے اسی میں آپ کی خوشی ہے۔ اور آپ کی خوشی اللہ عزوجل کی خوشی ہے۔ اور ایک مسلمان کی معراج یہ کہ اس سے خدا اور اس کا رسول خوش ہو۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

❁❁❁

تعارف وتبصرہ

کتابوں کی دنیا

مولانا محمود حسن حسنی ندوی

نام کتاب : الفاتحہ وجزء عم
شائع کردہ: اسلامک فاؤنڈیشن ٹرسٹ، مدراس ۱۳۸ر بربمور ہائی روڈ جمالیہ، چینئی۔
قیمت : درج نہیں۔

نہایت اعلیٰ طباعت، جدید گیٹ آپ کے ساتھ ڈاکٹر عبدالرحیم نے شائع کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ برصغیر میں پہلی بار پارۂ عم کمپوز ہوکر شائع ہوا ہے، دو خصوصیات کا اور ذکر کیا ہے ایک تو یہ کہ ہر دو لفظوں کے درمیان مناسب فاصلہ رکھا گیا ہے، دوسری یہ کہ ہر حرف کی کم سے کم شکلیں اختیار کی گئی ہیں، مولانا قاری محمد قاسم صاحب امام و خطیب جامع مسجد پریامیٹ مدراس ان کے دعوے کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ پارۂ عم قرآن مجید کی ترتیب پر شائع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عبد الرحیم صاحب مشہور عالم دین ہیں، بچوں کی نفسیات سے واقف ہیں، اور اس کی رعایت رکھنے میں بڑے کامیاب ہیں، اپنی کتاب دروس اللغۃ العربیۃ کی وجہ سے بچوں میں پہلے سے متعارف ہیں، ان کی طرف سے پارۂ عم کی یہ اشاعت بھی بچوں کو زیادہ فائدہ پہونچانے والی ہے۔

☆☆☆

نام کتاب : مسئلہ ایصال ثواب
تالیف : مولانا جمیل احمد نذیری
شائع کردہ : مکتبۂ صداقت نوادہ مبارکپور اعظم گڈھ۔

کتاب کا جدید ایڈیشن پیش نظر ہے، پہلی بار ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی تھی، لیکن کئی مباحث کے اضافہ سے اس کی جدت باقی رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب میں ایصال ثواب کا مفہوم، اسکی بنیاد، طریقہ، حیثیت، زندہ کے عمل سے مردہ کو فائدہ پہونچنے کی صورتوں، منکرین ایصال ثواب کے دلائل واشکالات، زیارت قبور اور ان بدعات کو بھی کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے جو ایصال ثواب کے راستہ سے معاشرہ میں داخل ہوگئی ہیں۔ مثلاً چہلم، تیجہ وغیرہ۔

قیمت ۶۵ روپے درج ہے۔ صفحات ۲۰۲ ہیں۔

☆☆☆

نام کتاب : حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری
تالیف : مفتی سلیمان خوشحال پوری
شائع کردہ: مکتبہ حمیدیہ، خوشحال پور، مرزا پور، سہارنپور۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۶۲ء) کی وفات کے بعد سب سے پہلے ان کی سوانح ان کے مسترشد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مرتب فرمائی تھی، جو آج بھی داد تحسین وصول کررہی ہے اور جسے اہل قلم وادیبوں اور ناقدین نے سوانح نویسی کا شاہکار تسلیم کیا ہے، پیش نظر کتاب کا یہ مصدر اول ومرجع اساسی ہے، اس کے علاوہ مؤلف نے اور بھی کتابوں، شخصیات سے استفادہ کیا ہے، مؤلف کا چونکہ قیام رائے پور ہی میں رہتا ہے، اور وہ سلسلۂ رائے پوری سے وابستہ بھی ہیں، اس لئے ایک خاص جذبہ اور لگن اس کی تالیف میں نظر آتا ہے۔ کتاب میں حضرت کے ضروری حالات زندگی اور ملفوظات اور طریقہ تربیت وسلوک کو شستہ اور سادہ اسلوب وزبان میں بیان کیا گیا ہے، جس کی ضرورت تھی۔ یہ کتاب در اصل سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری مؤلفہ مرشد گرامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تسہیل وتلخیص ہے مع چند اضافات کے۔ صفحات ۱۷۵، قیمت: ۵۰ روپے ہے۔

☆☆☆

نام کتاب : خلق عظیم
کلام : جناب ظفر جنکپوری صاحب
ناشر : دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

پیش نظر (کتاب) ایک کہنہ مشق وقدیم روایات کے حامل باذوق وباصلاحیت قادر الکلام شاعر مولانا سید عبد العزیز صاحب قاسمی ظفر جنکپوری کا نعتیہ مجموعۂ کلام "خلق عظیم" ہے، جو موصوف کے دل کی دھڑکن سے تخلیق ہوکر صفحات قرطاس پر جلوہ نما ہے پر کیف اور دل آویز نعتوں کے اس مجموعہ کو "دلکش انداز" کے عنوان سے ہر دلعزیز شاعر اور داعیانہ صفات کی حامل شخصیت پروفیسر ڈاکٹر کلیم عاجز صاحب نے خراج تحسین پیش کیا ہے، یہ مجموعہ نعتوں پر مشتمل ہے، مشہور عالم دین مولانا رضوان القاسمی صاحب کا حرفے چند کتاب کا عرض ناشر ہے۔

قیمت: ۸۰ روپے، صفحات: ۱۵۶، طباعت اعلیٰ ہے۔

☆☆☆

نام کتاب : قیامت کے لئے نسخۂ کیمیا
تالیف : حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
ترجمہ : مولانا کفیل احمد ندوی
شائع کردہ : مدرسہ اسلامیہ امرتھ، جموئی، بہار
صفحات : ۱۳۲
قیمت : درج نہیں

روز محشر میں کام آنے والے ضروری اعمال پر حافظ ابن حجرؒ کی تصنیف (المنبهات علی الاستعداد لیوم المعاد) کو فاضل گرامی مولانا کفیل احمد ندوی مہتمم مدرسہ اسلامیہ امرتھ نے اردو کا جامہ پہنا کر اردو داں طبقہ کو اس بڑے خیر کی طرف متوجہ کیا ہے، اس وقت فائدہ پہونچانے والے کاموں کی طرف توجہ وترغیب دلائی ہے جب ہر

ایک کو اپنی فکر ہوگی اور کوئی کسی دوسرے کے کام نہ آسکے گا، یہی نیک اعمال ہیں جو اس وقت فائدہ پہونچائیں گے۔

اس کتاب میں فرمان الٰہی، ارشادات رسول ﷺ، صحابہ کرامؓ کے اقوال و بیانات اور سلف صالح کے ملفوظات کو جمع کیا گیا ہے، سب سے پہلے حدیث قدسی ذکر کی ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں تو انسان سے محبت کرتا ہوں مگر جب وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا تو میں بھی اسے چھوڑ دیتا ہوں اور اس سے رخ پھیر لیتا ہوں۔ آخری نصیحت یہ مذکور ہے کہ کسی کو ایذاء اور تکلیف نہ پہونچاؤ اس لئے کہ یہ مسلمان کا وطیرہ نہیں ہے۔

☆☆☆

نام کتاب : مغربی میڈیا انحطاط کی راہ پر
تالیف : اکرام اللہ صاحب، ایم اے (نفسیات)
صفحات : ۳۳۶، قیمت: ۱۲۰ روپے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ کے مقدمہ کے ساتھ یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش کے تعاون سے شائع ہوئی ہے، مولانا مدظلہ مقصد تالیف کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جناب اکرام اللہ صاحب نے مغربی زندگی کی سیرت و اخلاق کے مذموم پہلوؤں کو اور ان کے نتائج کو معتبر طریقہ سے اور صورتوں کے ساتھ کتاب کی صورت میں جمع کیا تا کہ وہاں کی زندگی کی بدنما تصویر سے ہمارے مشرقی ناواقف لوگ واقف ہوسکیں اور مغربی تہذیب کی نقل سے بچنے کا اہتمام کرسکیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مغربی تہذیب کی بنیاد مادیت والا دینیت پر ہے، جس میں روحانی و اخلاقی قدروں کو یکسر فراموش کردیا گیا ہے، اخلاقی انحطاط اور اخلاقی قدروں سے انحراف اس کا امتیاز ہے، بے حیائی اور عریانیت اور مفاد پسندی، موقع پرستی، خود غرضی اس کا خاصہ ہے، ہوس، لالچ، نمائش، جرم و تشدد اس کا مزاج ہے، کتاب میں ان سب باتوں کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے، اور مغربی تمدن کا اجمالی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ لکھنؤ میں یہ کتاب مکتبۂ ندویہ اور مکتبہ الفرقان سے اور دہلی میں مکتبہ جامعہ اردو بازار سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

نام کتاب : استشراق اور مستشرقین کی نقاب کشائی
تالیف : ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی
ترجمہ : جمال مدنی
ناشر : مکتبہ نعیمیہ صدر چوک مئوناتھ بھنجن۔

یہ کتاب مشہور عالم و مفکر و محقق شیخ مصطفیٰ السباعی کی کتاب ''الاستشراق والمستشرقون'' کا اردو ترجمہ ہے، زبان شستہ، سادہ اور اسلوب دل کو بھانے والا ہے، مستشرقین کے بارے میں شیخ مصطفیٰ السباعی کہتے ہیں'' ان کے قلوب اسلام، عرب اور مسلمانوں کے خلاف تعصب سے پُر ہیں'' اور لکھتے ہیں ''مستشرقین کی اکثریت کسی چیز کی تحقیق سے پہلے اپنے ذہنوں میں ایک خاص فکر بٹھالیتی ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ وہ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں، ان کے مقاصد و کوشش، عربی زبان کی قدرت و صلاحیت کو مشکوک، حدیث نبویؐ کی صحت کو مشکوک بنانا، شریعت و فقہ سے بے اعتمادی پیدا کرنا، عربوں میں ماقبل اسلام قوم پرستی کا احیاء، پھر یہ کہ استشراق کی سرپرستی کون کرتے ہیں، یہ مستشرقین کی اسلامی موضوعات پر کوشش کس معیار کی ہوتی ہیں، مستشرقین کے کاموں کا ایک جائزہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔

قیمت: ۳۰ روپے، لکھنؤ میں مکتبۂ ندویہ اور دلی میں مرکزی مکتبۂ اسلامی سے یہ کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

نام کتاب : نغمۂ کہکشاں
تالیف: حیرت بستوی
ناشر : دارالادب، اتری بازار سدھارتھ نگر یوپی

جناب عبد الرؤف صاحب حیرت بستوی ایک نعت گو شاعر ہیں، ۱۹۳۱ء کو پیدا ہوئے متعدد اعزازات اور ایوارڈ حاصل کرچکے ہیں، ان کا مجموعۂ کلام ''نغمۂ کہکشاں'' ان کی حمد و نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے، تقریباً نصف صدی سے ان کا کلام اخبارات و رسائل کی زینت بنتا رہا ہے، ان کا ایک شعر ہے۔

صرف وہ سب کا معبود و مسجود ہے
جس کے آگے ہے خم بے ستوں آسماں

حمدیہ و نعتیہ اشعار کے اس مجموعہ میں قرآن و شریعت، رمضان، معراج، عید، نکاح، والدین کے متعلق حصہ بھی ترتیب دیا گیا ہے۔

قیمت: ۵۰ روپے درج ہے۔

☆☆☆

نام کتاب : منظر موسم خواب
تالیف: سیما فریدی
قیمت : ۲۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : دانش محل، امین الدولہ پارک، امین آباد لکھنؤ۔

سیما کا تعلق فانؔی کے شہر بدایوں سے ہے، یہ اصلاً غزل کی شاعرہ ہیں، پروفیسر عنوان چشتی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی لکھتے ہیں کہ سیما فریدی ایک تعلیم یافتہ باشعور شاعرہ ہیں، شاعرہ کو زاد سفر کے طور پر جو کچھ ملا ہے اس کو انہوں نے اپنے مجموعۂ کلام میں پیش کردیا ہے، ڈاکٹر ناظم جعفری لکھتے ہیں: ''سیما اپنی شاعری کے آئینہ میں ایسا منظر پیش کرتی ہیں، جس کا پس منظر زیادہ واضح اور نمایاں نظر آتا ہے، ان کے اشعار کے لئے بصارت سے زیادہ بصیرت درکار ہے''۔

یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش کے تعاون سے شائع ہوئی ہے۔

(صفحہ ۴ کا بقیہ)

میں افادیت و امید کا یہ پہلو تھا کہ جنوبی ہند کے یہ ہندو قابل احترام مذہبی پیشوا اگر مذہبی رواداری اختیار کرتے ہوئے اپنے فرقے کو مسجد کی اصل پوزیشن کو بحال کرانے اور مسلمانوں کو اس پر ان کا حق دلانے کے لئے کوئی صورت نکالتے ہیں اور

> پہلے والی تجویز تو خود شنکر اچاریہ صاحب نے واپس لے لی اور دوسری تجویز بالکل اس کے برعکس تھی لہذا بورڈ نے اسے واپس کردیا۔

اس کے لئے کوئی ایسا فارمولہ تجویز کرتے ہیں جس سے مسئلہ کے حل میں مدد ملے اور مسجد کے مسلمانوں سے چھین لئے جانے سے مسلمانوں میں جو رنج و تکلیف اور ان کے اور ہندوؤں کے درمیان جو تناؤ کی فضا بڑھ رہی ہے وہ ختم ہو اور مسجد مسلمانوں کے لئے بحال ہو، تو ٹکراؤ اور فرقہ وارانہ کشمکش سے بہتر ہے بہر حال شنکر اچاریہ صاحب سے مولانا کی گفتگو ہوئی اور انہوں نے مسجد کی بحالی کے لئے ایک پیش کش کی جس کے تحت مسجد مسلمانوں کے لئے بحال ہوسکتی تھی اور اس کے عوض میں ہندوؤں کے لئے ایک فاصلہ پر مندر تعمیر کردیا جاتا، لیکن تحریک بحالی مسجد کے مسلم رہنماؤں نے اس مسئلہ کو حل کرنے میں بات چیت اور رعایت کا طریقہ پسند نہیں کیا اور اس کی بنا پر شنکر اچاریہ جی کا فارمولہ غور کے لئے آگے نہیں بڑھ سکا اور کشمکش اور کوشش چلتی رہی اور حالات خراب ہوتے گئے اور پھر ایک عرصہ کے بعد مسجد کی عمارت گرادی گئی۔ گذشتہ سال مذکورہ شنکر اچاریہ صاحب کے جانشین موجودہ شنکر اچاریہ صاحب نے مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں مسلم پرسنل لاء بورڈ سے بات کرنا چاہی اور تحریری طور پر ایک فارمولہ کے ساتھ ملاقات کی، اس فارمولہ میں مسجد کی جگہ کے سلسلہ میں تو مسلمانوں کے موقف کے مطابق ہی کورٹ کے فیصلہ کے انتظار کو قبول کیا، کہ اگر عدالت کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ مسجد کے حق میں ہوتا ہے تو مسجد بحال ہو جائے گی البتہ فی الوقت جو زمین ایکوائر کی گئی ہے، اس ایکوائر شدہ زمین کے سلسلہ میں تجویز رکھی کہ اس پر مسلمان مندر تعمیر کرنے کی اجازت دے دیں، بورڈ کی بنیادی پالیسی وہی تمام مسلمانوں والی پالیسی ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، اس کی زمین بھی مسجد ہے وہ بطور مسجد بحال ہونا چاہئے اس سے متعلقہ علاقہ جہاں قبریں تھیں وہ بھی بحال ہونا چاہئے اس بنیاد کو قائم رکھتے ہوئے حالات کو معتبر بنانے اور مسئلہ کو حل میں تیزی لانے کی کوئی تجویز ہو تو بورڈ کو اس پر غور کرنے میں اعتراض نہیں۔

لہذا بورڈ نے اپنے مذکورہ بالا موقف پر قائم رہتے ہوئے شنکر اچاریہ صاحب کی تجویز کے سلسلہ میں اپنے کچھ اشکالات پیش کئے اور اس تجویز کی تفصیل طلب کی نیز ان کی تجویز پر عمل درآمد کے سلسلہ میں مجوزہ نظم اور انتظام کے بارے میں بھی وضاحت طلب کی تا کہ پورے معاملہ پر نظر ڈال کر کوئی رائے قائم ہو، شنکر اچاریہ صاحب نے نقشہ اور تفصیلات بھیجنے کا وعدہ کیا تھا لیکن باوجود انتظار کے بورڈ کو ان کی طرف سے تفصیلات موصول نہیں ہوئیں اور اس طرح سے ان کی طرف سے پیش کردہ تجویز بورڈ کی عاملہ کی طرف سے مسترد کردی گئی ایک سال بعد گذشتہ ماہ کے آغاز پر انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ میری عیادت کو آنا چاہتے ہیں میرے علم میں ان کے پیش رو کی جانب سے اور پھر ان کی جانب سے کوششیں تھیں اس لئے اولاً مجھے ان کی آمد پر تردد ہوا لیکن عیادت کے عنوان سے وہ ملاقات کے لئے آگئے جس کی تفصیلات تعمیر حیات کے گذشتہ شمارے (۲۵ر جون ۲۰۰۳ء) میں آچکی ہے، دوران گفتگو انہوں نے اس قضیہ کے حل کے سلسلہ میں بات شروع کی تو میں نے اپنے کو اس معاملہ میں پڑنے سے بچانے کے لئے ان سے کہا کہ وہ جو کہنا چاہتے ہیں اسے زبانی طور پر نہ بیان کرتے ہوئے تحریری طور پر ارسال کردیں تا کہ اس کو بورڈ کی مجلس عاملہ میں رکھا جاسکے، ہمارے سامنے ذہن میں یہ بات تھی کہ گذشتہ سال جس قسم کی تجویز انہوں نے پیش کی تھی غالباً ویسی ہی تجویز وہ اس موقعہ پر بھی رکھیں گے، چنانچہ اپنے فارمولہ کو تحریری طور پر بھیجنے کی بات کہہ کر وہ چلے گئے پھر فارمولہ پر مشتمل خط بھی ہمیں موصول ہوا اس کے جو مندرجات تھے وہ گذشتہ سال کے پیش کردہ فارمولہ سے ملتے جلتے تھے، لیکن حسب سابق اس میں متعدد باتیں وضاحت طلب تھیں چنانچہ میں نے ان کا خط دیکھ کر گذشتہ سال کے حوالے سے وضاحتیں طلب کی جس کے جواب میں شنکر اچاریہ صاحب نے جو کچھ لکھا وہ بھی پریس میں آچکا ہے اس میں انہوں نے لکھا کہ مسلمان بابری مسجد کی زمین کو ہندوؤں کو ہدیہ اور دان (Donate) کر دیں اور ساتھ ہی ذہنی طور پر اس کے لئے بھی آمادہ رہیں کہ دیر سویر انہیں کاشی اور متھرا کی متنازع عبادت گاہوں کو بھی ہندوؤں کے حوالے کرنا ہوگا اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے پہلے خط میں تجویز کردہ فارمولہ کو واپس لے لیا کہ سپریم کورٹ نے چونکہ پوری زمین پر پابندی لگا رکھی ہے اس لئے وہ

> گرم بیانات کی وجہ سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کی طرف سے اپنائے گئے موقف میں تبدیلی نہیں ہوگی، مسئلہ کورٹ میں ہے اور کورٹ کا فیصلہ ان کو بھی ماننا ہوگا۔

Resi : 2268177
Mobile : 9415002535
Shop : 2213736
2500667

سونے اور چاندی کی دنیا میں ۷۵ رسالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جیولرس

ہمارا نیا شوروم

گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

پروپرائٹر : محمد اسلم

Haji Safiullah
Jewellers

Opp. Gadbad Jhala, Aminabad, Lucknow.-18

Shop: 260890
Resi: 269562

MOHD. IRFAN
PROPRIETOR

NEW KAREEM JEWELLERS

نیو کریم جویلرس

دوکان نمبر ابلد مارکیٹ ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے قلم سے

الهند فی العهد الاسلامی

ہندوستان میں عہد اسلامی کی مکمل تاریخ، مسلم حکمرانوں، سیاسی، سماجی، واقتصادی خدمات کا جائزہ نیز ملک کے جغرافیائی حالات پر مشتمل مباحث کا مجموعہ جو کہ فن تاریخ نویسی اور تاریخی مآخذ میں مرجع کی حیثیت رکھتا ہے۔ صفحات: ۴۴۰ قیمت: Rs.150/-

اصلاح

رشتہ داروں کے حقوق، صلہ رحمی کے فضائل، اہمیت وضرورت پر مشتمل مختصر لیکن مؤثر رسالہ۔ صفحات: ۴۴ قیمت: Rs.6/-

منے کے پتے

مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

Fac 91-512-2462039
2462311
Resi: 2451177

Paradise

LEATHER FINISHERS

Manufacturers & Suppliers Of Finished Leather & Leather Goods

E-Mail:
• PLFsajid1@Radiffmail.com
• PLFsajid1@ Datainfosys.net

MIG-37, K.D.A. COLONY, JAJMAU KANPUR-208010

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گذارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
Tea Merchants
44, Haji Building, S.V. Patel Road,
Null Bazar, Mumbai 400 003
Tele: Add CUPKETTLE Tel.: 3460220, 3468708
Tel. (R) 3095852

۱۲ نمبر اور ۱۲۱ کی ایشل چائے استعمال کیجئے

فارمولہ اب قابل عمل نہیں ہے اس طرح دراصل انہوں نے خود اس معاملہ کو ختم کردیا البتہ انہوں نے جو اپنا مطالبہ کیا وہ متعصب ہندو جماعتوں کے مطالبہ کے مطابق تھا جو کسی طرح بھی قابل غور نہیں ہوسکتا تھا۔

مسجد کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں مسلمانوں کا موقف صاف اور واضح ہے لہذا بابری مسجد کی زمین کو "دان" کردینے کی ان کی تجویز کیسے قابل غور ہوسکتی تھی، ظاہر ہے کہ ان حالات میں وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا اور جس کی تفصیلات پریس میں آچکی ہے۔

سوال: میڈیا نے ۶ رجولائی کی مجلس عاملہ کی میٹنگ میں ہونے والے فیصلہ کے متعلق یہ تاثر دیا کہ شنکر اچاریہ صاحب کے فارمولہ کو بورڈ نے

> البتہ اس طرح کے گرم بیانات کی وجہ سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کی طرف سے اپنائے گئے موقف میں تبدیلی نہیں ہوگی، مسئلہ کورٹ میں ہے اور کورٹ کا فیصلہ ان کو بھی ماننا ہوگا۔

مسترد کردیا ہے میڈیا کی اس روش سے ایک غلط اور منفی تاثر قائم ہوتا ہے اس پر جناب والا کا ردعمل؟

جواب: پہلے والی تجویز تو خود شنکر اچاریہ صاحب نے واپس لے لی اور دوسری تجویز بالکل اس کے برعکس تھی لہذا بورڈ نے اسے واپس کردیا۔

سوال: بدقسمتی سے کچھ ایسی بدگمانیاں پیدا کی جارہی ہیں کہ بورڈ کی صفوں میں چند ایک ایسے لوگ ہیں جو بابری مسجد/رام جنم بھومی قضیہ کے سلسلہ میں بورڈ کے واضح موقف اور اصول سے پورے طور پر متفق نہیں یا یہ کہ دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ ملت کے مفاد کے خلاف استعمال ہورہے ہیں صدر بورڈ کی حیثیت سے اس پر آپ کا تاثر اور ردعمل؟

جواب: حقیقت میں بات ایسی نہیں ہے بورڈ

> لوگوں نے دیکھا کہ مسلمان کھلے دل کے ساتھ مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں جب کہ فریق مخالف کے رویہ میں ضد و ہٹ دھرمی اور قانون کی پاسداری سے گریز کا عنصر شامل ہے

میں ایسے لوگ نہیں ہیں جو بورڈ کے اصولوں کے برعکس کام کرتے یا نقطۂ نظر رکھتے ہوں البتہ ہلکے پھلکے طور پر فرق اور اختلاف ہر جماعت میں ہوسکتا ہے بورڈ کے بعض لوگوں میں یہ خیال کچھ زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ اس قضیہ کے سلسلہ میں باوقار طریقہ سے مذاکرات اور مفاہمت کے ذریعہ حل نکالنے کی کوشش کی طرف زیادہ توجہ کرنا چاہئے۔

سوال: فسطائیت پسند ہندو تنظیمیں مندر مسجد قضیہ کو لے کر ایک بار پھر اشتعال انگیز اور جارحانہ بیانات دے رہی ہیں۔

جواب: نظم وانتظام کا تقاضہ ہے کہ حکومت اپنا فرض نبھائے اور ایسے بیانات کے سلسلہ کو جس سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو خطرہ لاحق ہوتا ہو اور باہمی نفرت کے جذبات ابھرتے ہوں، اسے روکنے کی تدابیر کرے، نفرت کی زبان کا استعمال اور اشتعال انگیزی، ہر مہذب وامن پسند ہندوستانی شہری کے نزدیک نامناسب ہی کہلائے گی، البتہ اس طرح کے گرم بیانات کی وجہ سے اس مسئلہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کی طرف سے اپنائے گئے موقف میں تبدیلی نہیں ہوگی، مسئلہ کورٹ میں ہے اور کورٹ کا فیصلہ ان کو بھی ماننا ہوگا۔

سوال: ملت کے ایک حلقہ کی رائے یہ ہے کہ اس قضیہ کے حل کے لئے نرم رویہ اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ اس جذباتی Issue کے ذریعہ نفرت کی سیاست کا کھیل کھیلنے والوں کو ناکام بنایا جاسکتا ہے اس منطق پر آپ کا تاثر؟

جواب: اس میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ملت کے وقار اور اس کے باعزت مقام کو نقصان پہونچائے بغیر پُر امن تدابیر سے مسئلہ کا حل نکل سکتا ہو تو اس راستہ کو اختیار کیا جاسکتا ہے البتہ رویہ جو بھی ہو اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ مسجد کے تقدس اور اس کی ناقابل تغیر شرعی حیثیت کو قائم رکھتے ہوئے عمل ہونا چاہئے، نیز مقابر کی حفاظت کو بھی نظر میں رکھنا ہوگا۔

سوال: شنکر اچاریہ صاحب اور بورڈ کے مابین قضیہ کے حل کے سلسلہ میں کی جانے والی حالیہ کوشش کے تقریباً لاحاصل ثابت ہونے پر آپ کا تاثر؟

جواب: اس کو لاحاصل نہیں کہنا چاہئے اس سے مسئلہ کے حل کی راہ میں کچھ نہ کچھ پیش رفت ہوئی ہے مثلاً یہی بات کہ لوگوں نے دیکھا کہ مسلمان کھلے دل کے ساتھ مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں جب کہ فریق مخالف کے رویہ میں ضد و ہٹ دھرمی اور قانون کی پاسداری سے گریز کا عنصر شامل ہے تو اس واقعہ سے ملت کے رویہ سے متعلق دنیا میں ایک اچھا Message گیا ہے اور ایک اچھا تاثر قائم ہوا ہے۔

سوال: اس موقعہ پر آپ ملت سے کیا کہنا چاہیں گے اور اسے کون سا لائحہ عمل دینا چاہیں گے؟

جواب: ملت کے لئے لائحہ عمل یہ ہے کہ وہ اپنے اس ملک میں جمہوریت اور سیکولرزم پر مبنی دستور کے حوالہ سے اپنے وطنی حقوق کے حصول کے لئے ممکنہ تدابیر کے ذریعہ کوشش کرے، طرز عمل - عزیمت سمجھ داری اور حکمت کا ہو ایسی ڈپلومیسی اختیار کرے جس میں ملت کے مذہبی و وطنی حقوق کے حصول کا سامان بھی ہو اور ملت کی آبرو اور اس کے وقار پر آنچ نہ آنے پائے۔ ایسے موقعہ پر جہاں جوش کا اظہار ضروری اور ناگزیر ہو، وہاں جوش کا اظہار کیا جائے لیکن وہ دانشمندانہ طریقہ سے اور ضروری ہوش کے ساتھ ہو اور بہتر نتیجہ عموماً اسی سے نکلتا ہے۔

○○○